احمدی احباب کی تعلیم وتربیت کے لئے

پیر 18 جون 2012ء

روزنامہ

1913ء سے جاری شدہ

FR-10

# الفضل

The ALFAZL Daily

ٹیلی فون نمبر 047-6213029

ایڈیٹر: عبدالسمیع خان

web: http://www.alfazl.org
email: editor@alfazl.org

پیر 18 جون 2012ء 27 رجب 1433 ہجری 18 احسان 1391 ہش جلد 62-97 نمبر 141

## بعد میں آنے والے

حضرت ابو جمعہؓ حبیب بن سباع بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوعبیدہؓ نے رسول اللہؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا ہم سے بہتر کوئی قوم ہو سکتی ہے کیونکہ ہم اسلام لائے اور آپ کے ساتھ مل کر جہاد کیا۔ فرمایا ہاں وہ لوگ جو تمہارے بعد آئیں گے۔ وہ مجھ پر ایمان لائیں گے حالانکہ انہوں نے مجھے نہیں دیکھا۔

(مسند احمد حدیث نمبر:16362)

# علم دین سیکھنے کا ایک طریق سلسلہ کے اخبارات ورسائل کا مطالعہ بھی ہے

## حضرت مصلح موعود نے 1913ء میں الفضل جاری کیا اور 1917ء میں اسے وقف کردیا

حضرت مصلح موعود نے تقریر جلسہ سالانہ 27 دسمبر 1917ء میں علم حاصل کرنے کے 7 طریق بیان کئے۔

1۔ مرکز سلسلہ قادیان میں بار بار آنا اور حضور سے علم سیکھنا۔
2۔ دوسرے مقامات پر درس قرآن میں شرکت
3۔ اسباق القرآن (تحریری مواد جو ڈاک کے ذریعے ملے گا)۔
4۔ جتنا علم آتا ہے دوسروں کو سکھایا جائے۔
5۔ کتب حضرت مسیح موعود کا مطالعہ۔
6۔ اخبارات اور رسائل سلسلہ کا مطالعہ۔
7۔ رمضان میں حضور کا درس قرآن

چھٹے طریق کی مزید تفصیل بیان کرتے ہوئے حضور نے فرمایا:

چھٹا طریق ایسا ہے جس کی طرف متوجہ کرنے کا مجھے ایک مدت سے خیال ہے لیکن ایک مجبوری کی وجہ سے اسے بیان نہیں کر سکتا تھا۔ وہ مجبوری یہ ہے کہ یہاں کے اخباروں میں سے ایک کے ساتھ میں بھی تعلق رکھتا ہوں چونکہ مجھ میں بڑی غیرت ہے اس لئے یہ بات جانتے ہوئے بھی کہ اخبارات کے ذریعہ بہت بڑا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔ میں نے اخبارات اور رسالے خریدنے کی طرف توجہ نہیں دلائی کیونکہ ایک اخبار سے مجھے بھی تعلق ہے اس کے لئے میں نے سوچا کہ اس اخبار کو کسی اور کے سپرد کردوں اور موجودہ تعلق کو ہٹا کر تحریک کروں مگر اس وجہ سے کہ ابھی تک وہ اخبار گزشتہ گھاٹے میں ہے کسی کے سپرد نہیں کر سکا۔ اب ایک اور طریق خیال میں آیا ہے اور وہ یہ کہ اس اخبار کو وقف کردوں، اس کے سرمایہ میں ایک اور صاحب کا بھی روپیہ ہے لیکن ان کی طرف سے بھی مجھے یقین ہے کہ وہ بھی اپنا روپیہ چھوڑ دیں گے۔ **پس میں آج سے اس اخبار کو بلحاظ اس کے مالی نفع کے وقف☆ کرتا ہوں۔ ہاں اگر خدانخواستہ نقصان ہوا تو اس کے پورا کرنے کی میں انشاءاللہ کوشش کروں گا۔ ہم اس کی کمی کے پورا کرنے کی تو کوشش کریں گے لیکن جو نفع ہوگا اسے نہ میں لوں گا اور نہ وہ بلکہ اشاعت (حق) میں خرچ کیا جائے گا۔**

اس اعلان کے بعد چونکہ مالی منافع کے لحاظ سے کسی اخبار کے ساتھ میرا تعلق نہیں رہا اس لئے اب میں تحریک کرتا ہوں کہ ہمارے دوست اخبارات کو خریدیں اور ان سے فائدہ اٹھائیں۔ اس زمانہ میں اخبارات قوموں کی زندگی کی علامت ہیں کیونکہ ان کے بغیر ان میں زندگی کی روح نہیں پھونکی جاسکتی۔ گزشتہ زمانہ میں مخالفین کی طرف سے جو اعتراض ہوتے تھے وہ ایک محدود دائرہ کے اندر گھرے ہوئے تھے اس لئے ان کے جوابات کتابوں میں دے دیئے جاتے تھے اور ان کتابوں کا ہی پاس رکھنا کافی ہوتا تھا مگر اس زمانہ میں روزانہ نئے نئے اعتراضات اخباروں میں شائع ہوتے رہتے ہیں جن کے جواب دینے کے لئے اخباروں ہی کی ضرورت ہے اور اسی لئے ہمارے سلسلہ کے اخبار جاری کئے گئے ہیں لیکن اکثر لوگ ان کی خریداری کی طرف توجہ نہیں کرتے جس سے وہ دین کا ہی نقصان کر رہے ہیں۔ ہمارے دوستوں کو چاہئے کہ جہاں تک ہو سکے تکلیف اٹھا کر بھی ان کو خریدیں۔......

پس جہاں تک ہو سکے اخباروں کی اشاعت بڑھاؤ، انہیں خریدو اور ان کے ذریعہ علوم حاصل کرو۔ اس وقت الفضل، فاروق، نور، ریویو آف ریلیجنز، تشحیذ جاری ہیں ان کے خریدار بنو۔

---

☆اس تقریر کے بعد گورداسپور جا کر میں نے باقاعدہ طور پر ''الفضل'' کو انجمن ترقی اسلام کی ملکیت میں دیئے جانے کی درخواست دے دی اور اب وہ انجمن ترقی اسلام کی ملکیت میں ہے (خاکسار مرزا محمود احمد)

(انوار العلوم جلد 4 ص 141)

## الفضل کے محسنین

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے 5 اگست 2011ء کے خطبہ جمعہ کے آخر پر اپنی والدہ حضرت صاحبزادی ناصرہ بیگم صاحبہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا۔

1913ء میں حضرت مصلح موعود نے الفضل جاری کرنے کا ارادہ فرمایا تو حضرت ام ناصر صاحبہ نے ابتدائی سرمائے کے طور پر اپنا کچھ زیور پیش کیا۔ حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے میری بیوی کے دل میں اس طرح تحریک کی جس طرح خدیجہؓ کے دل میں رسول کریمؐ کی مدد کی تحریک کی تھی۔ انہوں نے اس امر کو جانتے ہوئے کہ اخبار میں روپیہ لگانا ایسا ہی ہے جیسے کنویں میں پھینک دینا اور خصوصاً اس اخبار میں جس کا جاری کرنے والا محمود ہو (یہ بھی ایک عاجزی تھی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی) جو اس زمانے میں شاید سب سے بڑا مذموم تھا۔ آپ نے اپنے دو زیور مجھے دے دیئے کہ میں ان کو فروخت کر کے اخبار جاری کردوں۔ ان میں سے ایک تو ان کے اپنے کڑے تھے (سونے کے) اور دوسرے ان کے بچپن کے کڑے سونے کے تھے جو انہوں نے اپنی اور میری لڑکی عزیزہ ناصرہ بیگم کے استعمال کیلئے رکھے ہوئے تھے۔ میں زیورات کو لے کر اسی وقت لاہور گیا اور پونے پانچ سو میں وہ دونوں کڑے فروخت ہوئے اور اس سے پھر یہ اخبار الفضل جاری ہوا۔

(الفضل 4 جولائی 1924ء ص 4)

قارئین الفضل حضرت مصلح موعود کی اس پیاری بیٹی اور میری والدہ کو بھی الفضل پڑھتے ہوئے دعاؤں میں یاد رکھیں کہ الفضل کے اجراء میں گو بے شک شعور رکھتے ہوئے تو نہیں لیکن اپنے ماں باپ کے ساتھ آپ نے بھی حصہ لیا اور یہ الفضل جو ہے، آج انٹرنیشنل الفضل کی صورت میں بھی جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرماتا چلا جائے اور ان کی دعائیں ہمیشہ ہمیں پہنچتی رہیں۔

(الفضل 20 ستمبر 2011ء ص 7)

اداریہ

# روحانیت کی جاری نہر کا 100 واں سال

الحمدللہ کہ الفضل آج اپنی زندگی کے 100 ویں سال میں داخل ہو چکا ہے۔ وہ نازک سا پودا جس کی بنیاد صرف دعاؤں پر تھی اور جس کی پہلی خوراک چند بزرگ ہستیوں کی بے لوث مالی قربانی تھی۔ وہ آج ساری دنیا میں پھل پھول رہا ہے۔ باوجود ہزاروں حاسد آنکھوں کے اور تُند و تیز آندھیوں کے اس کا چراغ جلتا ہی رہا اور بیسیوں پابندیوں کے باوجود اس کی تحریریں اپنے وطن میں ہی نہیں بلکہ الیکٹرانک لہروں پر سفر کرتے ہوئے کل عالم میں پھیل رہی ہیں۔ اس کا ہفتہ وار ایڈیشن لندن سے شائع ہوتا ہے اور دنیا بھر میں جماعت احمدیہ کے رسائل جو سینکڑوں مقامی زبانوں میں ہیں وہ بھی الفضل کی شاخوں پر کھلنے والے نئے پھول ہیں۔

کہانی تو الحکم اور البدر سے شروع ہوتی ہے۔ جو نہایت نامساعد حالات میں جاری ہوئے اور اہم ترین فرائض سرانجام دیئے۔ الفضل انہی کا تسلسل ہے۔ جسے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب (مصلح موعود) نے 18 جون 1913ء کو جاری فرمایا اور پھر اسے جماعت کے حوالے کر دیا۔ اس کے اندر وقف کی ایسی روح پھونکی کہ وہ خلافت احمدیہ کی آواز بن گیا۔ ایسی روحانی نہر بن گیا جو احمدیہ ٹیلی ویژن کے قیام سے قبل بلاشرکت غیرے آب حیات لے کر پیاسوں تک پہنچتا رہا۔ یہ ایسا ساز اور ایسی قرنا تھی جس کی لے پر جماعت احمدیہ توحید کے نغمے الاپتی رہی، قربانیاں پیش کرتی رہی اور خدا کی راہ میں دل جھکائے مگر سر اٹھائے آگے بڑھتی رہی۔

خلفاء سلسلہ کے ذریعہ آسمان سے بہت دودھ اترا جسے الفضل نے محفوظ کیا اور کر رہا ہے، کونسا علم ہے جو اس میں رچا بسا نہیں۔ صداقت حق کی کونسی دلیل ہے، عظمت قرآن کا کونسا گوشہ ہے جو اس سے باہر رہا ہے، تاریخ احمدیت اور اشاعت احمدیت کا کونسا پہلو ہے جو اس سے مخفی ہے، شہادتوں اور اذیتوں کی کونسی یاد ہے جو اس سے محو ہے اور حق و باطل کا کونسا معرکہ ہے جس کی اسے خبر نہیں۔

یہ خوشیوں کا گلستاں ہے غم کی خبروں کا پاسباں ہے۔ جماعت احمدیہ کی عظمت کردار کی داستاں ہے۔ اس کے ذریعہ ساری کمیونٹی ایک خاندان ہے۔ اسی لئے تو احمدی اس پر قربان ہے اور دشمن پریشان ہے۔ اس سے ہماری روح کی جلا اور دل کا اطمینان ہے۔ خدا کا خلیفہ اس کا باغباں اور خدا خود ہی اس کا نگہبان ہے۔ اس لئے اس کا زندہ اور جاری رہنا بھی ایک نشان ہے۔

پس تمام احباب جماعت خصوصاً قارئین الفضل کو مبارک ہو کہ الفضل 100 ویں سال میں آگیا ہے۔ دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ اس اخبار کو ہمیشہ خلافت احمدیہ کا سچا دست و بازو بنائے رکھے تا دیر سلامت رکھے اور دشمنوں اور حاسدوں کے شر سے محفوظ رکھے۔ آمین

# داعیان الی اللہ کو حضرت مصلح موعود کی نصائح

## سلسلہ کی کتب اور اخبارات کا مطالعہ ضروری ہے

1937ء میں تحریک جدید کے مطالبہ نمبر 4 کے ماتحت چودھری محمد اسحٰق صاحب سیالکوٹی دعوت الی اللہ کے لئے چین کو روانہ ہوئے۔ ان کی خواہش پر حضرت مصلح موعود نے اپنے قلم سے ان کی نوٹ بک میں حسب ذیل ہدایات درج فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کی محبت سب اصول سے بڑا اصل ہے۔ اسی میں سب برکت اور سب خیر جمع ہے۔ جو سچی محبت اللہ تعالیٰ کی پیدا کرے۔ وہ کبھی ناکام نہیں رہتا اور کبھی ٹھوکر نہیں کھاتا۔ نمازوں کو دل لگا کر پڑھنا اور باقاعدگی سے پڑھنا۔ ذکر الٰہی، روزہ، مراقبہ۔ یعنی اپنے نفس کی حالت کا مطالعہ کرتے رہنا سونا کم، کھانا کم، دین کے معاملات میں ہنسی نہ کرنا نہ سننا۔ مخلوق خدا کی خدمت نظام کا ادب و احترام اور اس سے ایسی وابستگی کہ جان جائے اس میں کمی نہ آئے۔ (دین) کے اعلیٰ اصول ہیں۔

قرآن کریم کا غور سے مطالعہ علم کو بڑھاتا ہے اور دل کو پاک کرتا ہے اور دماغ کو نور بخشتا ہے۔ **سلسلہ کی کتب اور اخبارات کا مطالعہ ضروری ہے۔**............۔

تقویٰ اللہ ایک اہم شے ہے۔ مگر بہت لوگ اس کے مضمون کو نہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں نہ اس پر عمل کرتے ہیں۔

سلسلہ کے مفاد کو ہر دم سامنے رکھنا، بلند نظر رکھنا، مغلوبیت سے انکار اور غلبۂ (دین) اور احمدیت کے لئے کوشش ہماری زندگی کا نصب العین ہونے چاہئیں۔

خاکسار مرزا محمود احمد

(الفضل 30 ستمبر 1937ء صفحہ 4)

# قادیان کے اخبارات

آٹھ دس اخبار بھی جاری ہیں واں — ہیں وہی تو ارمغان قادیاں
ریویو، تشحیذ، الفضل و حکم — درحقیقت ہیں زبانِ قادیاں
نور و فاروق و اَتالیق و رَفیق — یہ بھی ہیں سب مخبرانِ قادیاں

**بخار دل**

## ”میری زندگی میں الفضل کا کردار“

### کے عنوان سے احباب کو مضمون لکھنے کی دعوت

خدا تعالیٰ کے فضل اور احسان کے ساتھ روزنامہ الفضل کو 18 جون 2013ء کو 100 سال پورے ہو رہے ہیں۔ اس ایک صدی میں الفضل خلافت احمدیہ کی آواز اور جماعت احمدیہ کا ترجمان ہونے کے گرانقدر فرائض سرانجام دیتا چلا آیا ہے۔ الفضل کی صد سالہ جوبلی کے اس مبارک موقع پر حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی منظوری سے ادارہ ایک تاریخی دستاویزی صد سالہ نمبر شائع کر رہا ہے اس وقیع اور ضخیم نمبر میں معین عناوین پر مضامین کے علاوہ احباب جماعت کو ”میری زندگی میں الفضل کا کردار“ کے عنوان پر عمومی طور پر لکھنے کی دعوت دی جاتی ہے۔ احباب اپنی یادوں کو مجتمع کریں۔ الفضل سے آپ نے، آپ کے قریبی دوستوں، رشتہ داروں اور احباب جماعت نے جو دینی، دنیوی اور تعلیم و تربیت کے لحاظ سے فائدہ اٹھایا ہے ان باتوں کو اس مضمون میں شامل کریں۔ الفضل آپ کے گھر میں کب سے آتا ہے۔ آپ کے بزرگ اور اب اس کو سب گھر والے کس طرح دلچسپی سے پڑھتے اور دینی تعلیمات و خلفاء سلسلہ کی تحریکات، ارشادات اور پیغامات پر عمل کر کے برکات حاصل کرتے ہیں۔ یہ تاثرات پر مبنی مضمون جلد از جلد ایڈیٹر کے نام بھجوا دیں۔ اگر مضمون کمپوز کیا ہو تو اس کی سافٹ کاپی بھجوانے کی بھی درخواست ہے۔

(ایڈیٹر روزنامہ الفضل)

پوسٹل ایڈریس: دفتر روزنامہ الفضل دارالنصر غربی
چناب نگر (ربوہ) 35460
ای میل: editor@alfazl.org
فون نمبر: 0476213029

پبلشر و پرنٹر: طاہر مہدی امتیاز احمد وڑائچ | مطبع: ضیاء الاسلام پریس | مقام اشاعت: دارالنصر غربی چناب نگر ربوہ | قیمت 10 روپے

# ہمیشہ اصولی نیکیوں کو پیش کرنا چاہئے

## نیکی یہ ہے کہ دین کے مطالبہ پر انسان قربانی پیش کردے

### الفضل کے ایک مضمون پر حضرت مصلح موعود کا عارفانہ تبصرہ

دوستوں کو اور علمی مسائل کے متعلق کتابیں لکھنی چاہئیں، مگر وہ مسائل علمی ہونے چاہئیں۔ دوسروں کی اندھی تقلید میں رٹ نہیں لگانی چاہئے۔ مثلاً میں نے دیکھا ہے کچھ دن ہوئے ''الفضل'' میں حضرت عمرؓ کی سادگی کے متعلق بعض مضامین شائع ہوئے ہیں جن میں یہ لکھا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے کپڑوں پر 12 پیوند ہوتے تھے۔ اب ایک دفعہ کے متعلق تو یہ تسلیم کیا جا سکتا ہے، لیکن 12 پیوند ہوتے تھے کے معنے تو یہ ہیں کہ جب بھی وہ کوئی نیا کپڑا پہنتے تھے اس میں قینچی سے 12 موریاں کر کے 12 پیوند لگا لیتے تھے۔ حالانکہ اسے کوئی عقل تسلیم نہیں کر سکتی۔ پھر 12 پیوند لگانے کوئی ذاتی خوبی نہیں کہ اسے بیان کیا جائے اور اِس پر زور دیا جائے۔

دُنیا میں کئی باتیں ایسی ہیں جنہیں انسان وقتی مجبوری یا ضرورت کے لحاظ سے کرتا ہے۔ لیکن کبھی ان کو اپنی زندگی کا مستقل شغل قرار نہیں دیتا۔ مثلاً سادہ زندگی، یہ (دینی) تعلیم ہے، لیکن اگر کوئی اپنے طبعی میلان کی وجہ سے کدّو زیادہ پسند کرے اور یہی زیادہ کھائے تو ہم کبھی یہ نہیں کہیں گے کہ فلاں شخص اتنی سادگی سے زندگی بسر کرتا ہے کہ ہمیشہ کدّو کھاتا ہے۔ سادگی سے زندگی بسر کرنا اور چیز ہے اور اپنے طبعی میلان یا کسی طبعی ضرورت کی وجہ سے کدّو کھانا اور چیز۔ ہماری جماعت میں ایک دوست ہیں اُن کی بیوی میری بیوی کی سہیلی ہے، اُس نے میرے گھر میں ذکر کیا کہ جب بھی میں اپنے میاں سے پوچھتی ہوں کہ کیا پکاؤں؟ تو وہ کہتے ہیں آلو پکالو۔ اِس کے علاوہ وہ کوئی اور سبزی کھاتے ہی نہیں بس آلو ہی کھاتے رہتے ہیں۔ اب اگر کوئی شخص اس امر کو لے لے اور کہنا شروع کردے کہ فلاں دوست تو بڑے سادہ ہیں، ہمیشہ آلو کھاتے ہیں تو کوئی شخص ایسی بات سن کر خوش نہیں ہوگا کیونکہ سادہ زندگی کا اصل یہ ہے کہ کھانے میں کفایت کے اصول کو برتا جائے نہ یہ کہ ہمیشہ آلو یا کدّو کھاتے رہنا۔ پھر یہ چیز بھی اپنے اپنے زمانہ کے لحاظ سے بدلتی رہے گی۔ مثلاً آجکل ہم ایک کھانا کھاتے ہیں لیکن اس کو دیکھ کر اگر کوئی کہے کہ حضرت مسیح موعود کے دسترخوان پر بعض دفعہ دو دو کھانے آجایا کرتے تھے جس سے معلوم ہوا کہ آجکل ہم روحانیت میں آپ سے بڑھ گئے ہیں تو یہ بیوقوفی ہوگی۔

پس جو اصولی نیکیاں ہیں اُن کو پیش کرنا چاہئے اور اُنہی پر زیادہ زور دینا چاہئے۔ لیکن اگر ہم کسی کی کوئی ایسی نیکی پیش کرتے ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یا حضرت مسیح موعود میں نہیں پائی جاتی تھی تو ہم حضرت عمرؓ یا کسی اور کی تعریف نہیں کرتے بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرت مسیح موعود کی ہتک کرتے ہیں۔

اِسی قسم کی احمقانہ باتوں کے نتیجہ میں لوگوں نے حضرت مسیح موعود پر اسراف کا اعتراض کیا اور انہی باتوں کے نتیجہ میں بعض احمق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر بھی اعتراض کر دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کوئی پٹھان قدوری پڑھ رہا تھا جس میں اُس نے پڑھا کہ نماز میں حرکت صغیرہ ممنوع ہے اور حرکت کبیرہ سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ پھر کسی دوسرے وقت اُس نے حدیث کا جو سبق لیا تو ایک حدیث ایسی آ گئی جس میں لکھا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حالت نماز میں ہی دروازہ کھول دیا اور بعض جگہ آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر نماز میں سانپ وغیرہ سامنے آجائے تو اُسے مارا جا سکتا ہے۔ وہ پٹھان یہ پڑھتے ہی کہنے لگا ''خو محمد صاحب کا نماز ٹوٹ گیا، قدوری میں لکھا ہے کہ حرکتِ کبیرہ سے نماز ٹوٹ جاتا ہے''۔ اب اگر کوئی شخص ایسا ہو جو نماز پڑھ رہا ہو اور نماز میں ہی سانپ نکل آئے اور وہ نماز نہ توڑے بلکہ پڑھتا رہے تو کیا ہم کہیں گے کہ وہ زیادہ نیک ہے؟ ہم تو یہی کہیں گے کہ اُس کے اندر کوئی دماغی نقص ہے جس کی وجہ سے اُس نے سانپ کو دیکھنے کے باوجود اُسے مارنے کی کوشش نہ کی حالانکہ اسلام نے اُس کی اجازت دی تھی۔ غرض ایسے افعال کو اگر ہم نیکی قرار دیں تو ہمیں نعوذ باللہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق کہنا پڑے گا کہ آپ اس نیکی سے محروم تھے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ پھر کپڑوں پر 12 پیوند ہونے یہ کوئی فخر کے قابل بات نہیں۔ کیا جس دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کپڑوں پر چھ پیوند ہوتے تھے اُس دن آپ میں نیکی کم ہو جاتی تھی؟ یا آپ جب بھی کوئی نیا کپڑا پہنتے قینچی لے کر بیٹھ جاتے تھے اور کپڑوں کو پھاڑنا شروع کر دیتے تھے؟ غرض اِس قسم کی تاریخیں ہمارے مدنظر نہیں۔ یہ لوگ جو ان واقعات کو لکھتے ہیں دراصل نقّال ہیں۔ تاریخی واقعات کی چھان بین کی ان میں قابلیت نہیں اور یہ ویسی ہی بات ہے جیسے غیر مبائعین پہلے کہا کرتے تھے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں کیسی آزادئ رائے حاصل تھی۔ بھری مجلس میں ایک شخص کھڑا ہوتا تھا اور سوال کر دیتا تھا کہ یہ کرتہ تم نے کہاں سے لیا؟ یہ ہے اصل نیکی جو اسلام قائم کرنا چاہتا ہے۔ غرض اِس طرح کہہ کہہ کر جب انہوں نے اپنے ساتھیوں کو نیکی کی سان پر چڑھایا تو اُنہوں نے ہی دوسرے وقت مولوی محمد علی صاحب کی گردن پکڑ لی اور کئی اعتراض کرنے شروع کر دیئے۔ پھر مولوی محمد علی صاحب نے یہ شور مچا دیا کہ جب تک تم اِسْمَعُوْا وَاَطِیْعُوْا پر عمل نہیں کرتے اور ایک آواز پر لبیک کہنے کے لئے تیار نہیں رہتے اُس وقت تک تمہیں کوئی کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ گویا پہلے اعتراض کرنا نیکی تھا اور پھر خاموش رہنا نیکی بن گیا۔ تو ایسے لوگ جو وقتی امور کو نیکیاں قرار دینے لگ جائیں وہ تھالی کے بینگن ہوتے ہیں۔ جو کبھی بھی کسی صحیح نتیجہ پر نہیں پہنچتے حالانکہ بحث ہمیشہ اصولی ہونی چاہئے۔ مثلاً اگر میں مضمون لکھتا ہوں تو یہ دیکھتا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ قومی ضرورتوں کے مطابق کس طرح ہر قسم کی قربانیوں پر آمادہ رہتے تھے اور آیا جن قربانیوں کی اُس وقت ضرورت تھی، وہ آپ پیش کرتے تھے یا نہیں۔ میں یہ نہ دیکھتا کہ آپ کے کپڑوں پر 12 پیوند ہیں یا نہیں، بلکہ میں یہ دیکھتا کہ اُس وقت زمانہ جن قربانیوں کا تقاضا کرتا تھا اُن میں آپ نے کس سرگرمی سے حصہ لیا۔ اگر 12 پیوند لگانے ہی نیکی ہوں تو پھر ہم سب گناہ گار سمجھے جائیں گے، کیونکہ ہم میں سے کسی کے کپڑے پر 12 پیوند نہیں ہوں گے۔ ہاں ایک یا دو پیوند کبھی کبھار تو سوائے تعیّش پسند لوگوں کے سب کے نکل آئیں گے لیکن 12 پیوند سینکڑوں میں سے کسی ایک کے ملیں گے۔ خصوصاً شہری بود و باش والوں میں اور 12 پیوند بہ تعہد رکھنا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی ثابت نہ ہو گا جو طبعاً بہت بڑے زاہد تھے۔

دراصل یہ سب غلط خیالات ہیں جو لوگوں میں رائج ہیں اور انہی غلط خیالات کے نتیجہ میں انبیاء اور مامورین پر اعتراض واقع ہو جاتا ہے اور پڑھنے والا سمجھتا ہے کہ جس کے 12 پیوند نہیں وہ روحانیت سے گرا ہوا ہے۔ وہ یہ نہیں سمجھتا کہ یہ روحانیت کی علامت نہیں بلکہ سادگی کا ایک رنگ ہے جو ہر زمانہ میں بدلتا ہے اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں اور یہ ایسی ہی بات ہے جیسے حضرت مسیح موعود نے لکھا ہے کہ مومن کا کام یہ ہے کہ جہاں خدا اُس کو رکھے رہے اگر فاقہ میں رکھے تو فاقوں میں خوش رہے اور اگر آسودگی سے رکھے تو اُس میں خوش رہے۔ غرض ایسے امور کو نیکیاں قرار دینا بالکل غلط اصول ہے۔ نیکی یہ ہے کہ جب دین کی طرف سے مطالبہ ہو تو اُس وقت انسان مطالبہ کے مطابق قربانی پیش کردے۔ نیکی کی اس تعریف کو سامنے رکھ کر دیکھو کسی پر بھی اس کے نتیجہ میں اعتراض پیدا نہیں ہوگا نہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر اور نہ حضرت مسیح موعود پر۔ لیکن اگر اس کی بجائے ہم یہ کہیں کہ روحانیت کا معیار یہ ہے کہ جب دینی ضروریات کے متعلق مطالبہ ہو تو انسان سَو فی صدی اپنا مال دے دے تو اس کے مطابق سوائے حضرت ابوبکرؓ کے باقی سب کو نعوذ باللہ روحانیت سے گرا ہوا سمجھنا پڑے گا اور حضرت ابوبکرؓ کے متعلق بھی کہنا پڑے گا کہ وہ ساری عمر میں صرف ایک دفعہ اس معیار پر پورے اُترے۔ غرض مرکزی نکتہ کو مدنظر رکھ کر کتاب لکھنی چاہئے اور ایسی باتیں پیش نہیں کرنی چاہئیں جو مضحکہ خیز ہوں۔ یہی چیزیں ہیں جنہیں دیکھ کر مسلمانوں میں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو پلاؤ کھاتے ہیں تو اس میں مٹی ملا لیتے ہیں اور یہی باتیں جب غیر مذاہب والے سنتے ہیں تو انہیں خیال پیدا ہوتا ہے کہ اسلام کے مسائل عقل کے مطابق نہیں۔

''الفضل'' ہمارے سلسلہ کا آرگن ہے لیکن اس میں متعدد دفعہ ایسے مضامین شائع ہوئے ہیں۔ پہلے ایک لکھتا ہے اور دو چار مہینے کے بعد وہی مضمون اپنے الفاظ میں نقل کر کے کوئی دوسرا دُہرا دیتا ہے اور اس بات کو بالکل نہیں سمجھا جاتا کہ ان مضامین کے نتیجہ میں رسول کریم ﷺ اور حضرت مسیح موعود پر اعتراض واقعہ ہو جائے گا اور مخالف کہے گا کہ اگر یہ نیکی ہے تو آیا یہ نیکی ان میں بھی پائی جاتی تھی جن کو تم نبی، رسول اور دُنیا کا نجات دہندہ سمجھتے ہو۔

(خطاباتِ شوریٰ جلد2 ص217)

**احمدیہ گزٹ:** صدر انجمن احمدیہ اور نظارتوں کی سہولت کے لئے یہ رسالہ 1926ء میں جاری کیا گیا تھا۔ یہ رسالہ مہینے میں دو بار چھپا کرتا۔ بعد میں اس کی ضرورت کو محسوس نہ کرتے ہوئے اس کو چند سالوں بعد بند کر دیا گیا۔ اور اس ضرورت کو الفضل پورا کرتا رہا۔

**جامعہ احمدیہ:** جامعہ کے نام سے جامعہ کے طلباء نے ایک رسالہ جاری کیا جس میں بہت ہی تحقیقی اور علمی مضامین شائع ہوتے تھے۔

**تعلیم الاسلام:** تعلیم الاسلام ہائی سکول سے ایک رسالہ اس نام سے جاری ہوا جس کے چلانے کی ذمہ داری تعلیم الاسلام ہائی سکول کے طلباء کے سپرد تھی۔

**احمدی خاتون:** یہ رسالہ مستورات کے لئے جاری ہوا تھا جو کہ ماہانہ تھا اس کا اجراء الحکم کے دفتر سے ہی ہوا کرتا تھا۔

**تفسیر القرآن:** حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب کی تفسیر تفسیر القرآن کے نام سے شائع ہوتی تھی۔ اس کا کام رسالہ ریویو آف ریلیجنز کے ساتھ ساتھ چلا کرتا تھا۔

# Daily Alfazl 98 years and counting

## One of Pakistan's oldest newspapers is thriving despite banes and lawsuit.

## Sunday Magazine Feature

by Saba Imtiaz

Published October 9,2011

It is only at mid-afternoon that most bleary-eyed sub-editors start thinking about heading to their respective newsrooms. But for the 15-member editorial team at the Daily Alfazl, that's usually when the paper is being sent to the press.

It is far from a conventional broadsheet. The Jamaat Ahmadiyya's Daily Alfazl newspaper started off as a weekly in 1913. Almost a century later, the paper is still in circulation, despite the bans, threats and legal issues that followed the introduction of Ahmadi-specific laws.

At the newspaper's office in Rabwah, in Chiniot District, the impact of those laws is tangible.

While proofers at other publications look for factual and grammatical errors, staffers at the Daily Alfazl have a different set of tasks. In 1984, a sign was placed in the proofers' room, featuring a list of words the Daily Alfazl cannot use in line with the 'Anti-Islamic Activities of the Qadiani Group, Lahori Group and Ahmadis (Prohibition and Punishment) Ordinance', which was promulgated that year. Intriguingly, editors replace the words they cannot use with dots, leaving readers to figure out what was redacted from the original text. The prohibited words include 'Muslim', 'Azaan' and 'Tabligh'.

At one point, according to editor Abdul Sami Khan, there were over a hundred lawsuits against the paper's printer and publisher. And even though the Daily Alfazl is only circulated within the Ahmadiyya community, 'objections' have been raised by people incensed at the mere sight of its masthead. It has been banned several times, and its printing press was sealed for a year in 1953, during riots against the Ahmadi community. Shipments of the paper are often delayed at the post office.

This isn't the only publication people have been 'offended' by. "People have had issues with the children's magazine as well," says Khan. According to the Ahmadi watchdog website, www.thepersecution.org, cases have been instituted against five monthly magazines and the newspaper itself, as well as books published by the community. The Daily Alfazl also receives no government advertisements, a key source of revenue for most publications.

"We used to get advertisements before 1974 [the year amendments declaring Ahmadis non-Muslims were introduced in the constitution]," says Khan. "Not anymore." Instead, the newspaper runs ads from local advertisers or large businesses run by members of the community.

The slim newspaper — which publishes 9,000 copies daily — is primarily a journal for the community, featuring sermons and local news. A weekly edition is published in the UK.

But were Daily Alfazl tasked with refuting the allegations made against the Ahmadiyya community in the local press, it would have to produce at least a 40-page edition daily. Coverage of the community in the mainstream Urdu press mostly ranges from vitriolic diatribes to headlines that can only be described as bizarre — and at least one such headline is recycled every year without fail. According to an official at the Jamaat Ahmadiyya press section, a story alleging that Ahmadis had enlisted in the Israeli army has been doing the rounds for several years. "When the story was first published, the government of Pakistan issued a clarification to say that no Pakistanis were serving in the Israeli army," he said. "But that story is reprinted every year regardless."

The Jamaat Ahmadiyya also maintains a record of anti-Ahmadi stories published in newspapers printed from Lahore. In 2010, it recorded 1,468 news stories against the community, the majority of

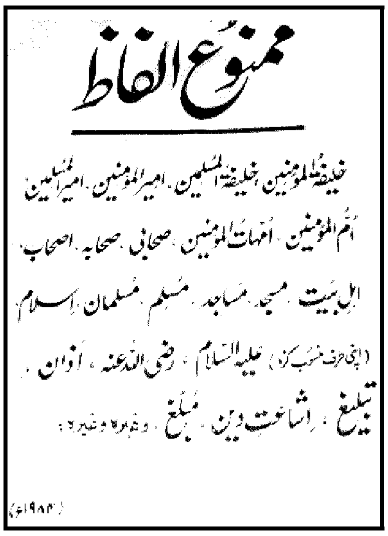
ممنوع الفاظ

خلیفۃ المومنین ۔ خلیفۃ المسلمین ۔ امیر المومنین ۔ امیر المسلمین

ام المومنین ۔ امہات المومنین ۔ صحابی ۔ صحابہ ۔ اصحاب ۔

اہل بیت ۔ مسجد ۔ مساجد ۔ مسلم ۔ مسلمان ۔ اسلام

(اپنی طرف منسوب کر کے) علیہ السلام ۔ رضی اللہ عنہ ۔ اذان ۔

تبلیغ ۔ اشاعت دین ۔ مبلغ ۔ وغیرہ وغیرہ ۔

(۱۹۸۴ء)

which were in seven of the most popular Urdu newspapers in the country.

That's not all. Pakistani newspapers also refused to run a paid-for advertisement by the Jamaat which detailed its reasons for boycotting the 2008 general elections.

Ironically, the Pakistani media has unwittingly promoted the Ahmadiyya community's places of worship, which cannot be called mosques for legal reasons. In 2009, as furore built up over a referendum in Switzerland to ban minarets, images of a mosque in the European country were published throughout Pakistan. Editors would be shocked to realise that the Swiss mosque being defended in the Pakistani press actually belongs to the same community they prefer to vilify.

Before leaving Rabwah, my copies of the Daily Alfazl and books are wrapped up in brown paper to evade scrutiny. Or, as a Jamaat representative wryly remarks, blasphemy charges. While I only have to hide the publications for a few hours, for the editors and readers of the Daily Alfazl, this is a daily battle — one that shows no signs of ending anytime soon.

**Published in The Express Tribune, Sunday Magazine, October 9th, 2011.**

تحریر: صبا امتیاز ——— ترجمہ: طارق حیات

# روزنامہ الفضل۔ اشاعت کے 98 سال

## (ایکسپریس ٹریبیون۔ 9 اکتوبر 2011ء کا سنڈے میگزین فیچر)

اخبارات کے 'سب ایڈیٹرز' عموماً بعد دوپہر اپنے اپنے نیوز روم کا رخ کرتے ہیں، مگر ''روزنامہ الفضل'' کا 15 رکنی ادارتی عملہ دوپہر تک اپنے اخبار کا مسودہ طباعت کے لئے پریس میں بھجوا چکا ہوتا ہے۔ یقیناً یہ امر روایتی اخبارات سے کافی مختلف ہے۔

1913ء میں جماعت احمدیہ کا اخبار ''روزنامہ الفضل'' ایک ''ہفت روزہ'' کے طور پر جاری ہوا تھا۔ اور آج تقریباً ایک صدی کا سفر طے کرنے کے بعد بھی یہ اخبار جاری ہے باوجودیکہ اس کو پابندیوں، دھمکیوں اور قانونی پیچیدگیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو بطور خاص احمدیوں کے لئے بنائے جانے والے 'قوانین' کا شاخسانہ ہیں، اس اخبار کے دفتر واقع ربوہ ضلع چنیوٹ میں ان 'قوانین' کا اثر بآسانی نظر آتا ہے۔

دیگر اشاعتی اداروں میں تو ''پروف ریڈر'' واقعاتی اور گرائمر کی اغلاط کی نشاندہی پر مامور ہوتے ہیں مگر ''روزنامہ الفضل'' کا عملہ تو اور ہی کاموں میں مشغول ہے۔ دراصل 1984ء میں ''الفضل'' کے کمرہ ادارت میں ایک چارٹ آویزاں کیا گیا جس پر ان الفاظ کی فہرست درج ہے جو ''روزنامہ الفضل'' میں استعمال ہی نہیں ہوسکتے ہیں۔ ایسا اسی سال 'قادیانیوں' کو اسلام مخالف سرگرمیوں سے روکنے اور سزائیں دینے کے لئے' نافذ ہونے والے آرڈیننس کی وجہ سے کیا گیا تھا جس پر اخبار کے مدیران نے نہایت ذہانت سے ان ''ممنوعہ الفاظ'' کی جگہ نقطے لگانے شروع کردیئے تاکہ قاری خود اندازہ کرلے کہ اصل تحریر کا کونسا لفظ حذف کیا گیا ہے۔ جن الفاظ کا استعمال منع کیا گیا ان میں ''مسلم، اذان اور تبلیغ'' وغیرہ شامل ہیں۔

روزنامہ الفضل کے مدیر عبدالسمیع خان کے مطابق اخبار کے پرنٹر اور پبلشر پر ایک سو سے زائد مقدمات قائم کئے جاچکے ہیں۔ نیز ''روزنامہ الفضل''، صرف احمدی احباب کی تعلیم وتربیت کے لئے شائع اور تقسیم ہوتا ہے مگر اس پر ''اعتراض'' کرنے والوں کی اکثریت ایسے لوگوں کی ہوتی ہے جو صرف اخبار کی پیشانی پر درج نام دیکھ کر ہی غیظ وغضب سے بھر جاتے ہیں۔ اس اخبار کی اشاعت متعدد مرتبہ رکوائی جاچکی ہے، احمدیہ مخالف فسادات والے سال یعنی 1953ء میں الفضل کا پرنٹنگ پریس ایک سال کے لئے سیل رہا، کئی دفعہ ڈاک خانہ کے ذریعہ سے ہونے والی الفضل کی ترسیل تاخیر کا شکار ہوجاتی ہے۔

خان صاحب نے بتایا کہ (ہمارے مخالف) لوگوں کو صرف روزنامہ الفضل سے ہی ''تکلیف'' نہیں ہے۔ بلکہ (مخالف) لوگوں کو تو بچوں کے رسالے سے بھی مسائل پیدا ہوجاتے ہیں۔

احمدیوں کے حقوق کی پامالی پر نظر رکھنے والی ویب سائٹ www.thepersecution.org پر درج معلومات کے مطابق پانچ جماعتی ماہانہ رسائل اور الفضل پر عدالتی مقدمات قائم کئے گئے ہیں۔ یہی حال جماعت کی طرف سے شائع ہونے والی کتب کا ہے۔ روزنامہ الفضل کو کوئی بھی حکومتی اشتہار نہیں دیا جاتا ہے۔ جبکہ یہی حکومتی اشتہارات ہی کئی اشاعتی اداروں کی آمد کا اصل ذریعہ ہوتے ہیں۔

عبدالسمیع خان صاحب نے ہمیں بتایا کہ (آئین میں ترمیم کرکے احمدیوں کو ''غیر مسلم'' قرار دیئے جانے کے سال) 1974ء تک ہمیں اشتہارات میسر تھے۔ مگر اب ایسا نہیں ہے۔ اس لئے اب ہم مقامی اشتہارات یا بڑے احمدی تاجروں کے کاروباروں کے اشتہاروں سے گزارا کرتے ہیں۔

یہ مختصر سا اخبار جو روزانہ صرف 9000 کی تعداد میں، جماعت کے لوگوں کے لئے چھپتا ہے جس میں خطبات اور مقامی خبریں ہوتی ہیں۔ اس اخبار کا ہفتہ وار ایڈیشن لندن سے شائع ہوتا ہے۔

اب اگر ''روزنامہ الفضل'' ان تمام الزامات کا جواب دینا شروع کردے جو پاکستان میں جماعت احمدیہ کے خلاف عائد کئے جاتے ہیں تو یقیناً الفضل کو روزانہ کم ازکم چالیس صفحات شائع کرنے پڑیں۔ دراصل پاکستان کے اردو اخبارات میں احمدیہ جماعت کے بارہ میں شائع ہونے والا تمام مواد یا تو مخالفین احمدیت کے نفرت اور فساد سے بھرے بیانات ہوتے ہیں یا وہ سرخیاں ہوتی ہیں جن پر صرف ہنسا ہی جاسکتا ہے اور پھر انہی سرخیوں کو ہی بار بار، بلاناغہ دہرایا جاتا ہے۔

جماعت احمدیہ کے پریس سیکشن کے ایک نمائندہ نے ہمیں بتایا کہ پاکستان کے اردو اخبارات میں ایک خود ساختہ جھوٹی کہانی گزشتہ کئی برسوں سے گردش کررہی ہے کہ ''احمدی اسرائیل کی فوج میں بھرتی ہورہے ہیں''۔ جب یہ جھوٹی کہانی پہلی بار اخبارات میں شائع ہوئی تو حکومت پاکستان نے اس کی تردید کی تھی کہ کوئی بھی پاکستانی اسرائیلی فوج میں شامل نہ ہے۔ مگر اس سب کے باوجود یہ ''خبر''، مسلسل پاکستان کے اردو اخبارات میں جگہ پارہی ہے۔

جماعت احمدیہ کی تاریخ گواہ ہے کہ لاہور سے شائع ہونے والے اخبارات میں احمدیت مخالف مواد سب سے زیادہ جگہ حاصل کرتا ہے۔ مثلاً سال 2010ء کے دوران کل ایک ہزار چار سو اڑسٹھ

باقی صفحہ 11 پر

بقیہ صفحہ 14 دفتر الفضل کی بھولی بسری یادیں

خلیفۃ المسیح الثانی نے اپنے اس شعر میں احباب جماعت کو فرمائی ہے۔

دشمن کو ظلم کی برچھی سے تم سینہ و دل برمانے دو
یہ درد رہے گا بن کے دوا تم صبر کرو وقت آنے دو

اب کچھ دیگر امور کا ذکر ہو جائے یعنی اس عرصہ کے دوران ایڈیٹوریل سٹاف کے ممبران رمضان المبارک میں اپنے اپنے گھروں پر افطاری کا انتظام کرتے تھے خاکسار کو بھی ایک دفعہ تمام ممبران کی افطاری کرنے کا موقع ملا۔ مکرم سیفی صاحب نے بھی ازراہ شفقت شرکت فرمائی۔ آپ نے میرے غریب خانہ کو دیکھ کر بڑی خوشی کا اظہار فرمایا نیز میری اولاد کے نیک ہونے اور ان کی دینی ودنیاوی ترقی کے لئے دعا فرمائی۔ یقین جانئے کہ اس بہت بڑے عالم دین اور نیک بزرگ کا گھر پر تشریف لانا میرے لئے بڑے اعزاز اور شرف کا باعث تھا۔ ضمناً یہ عرض کئے دیتا ہوں کہ ان کے والد محترم ماسٹر عطا محمد صاحب مرحوم جامعہ احمدیہ میں میرے استاد رہے۔ اللہ تعالیٰ دونوں کی مغفرت فرمائے۔ آمین

مکرم مولانا نسیم سیفی صاحب نہ صرف تقریر میں بلکہ تحریر میں بھی پورا ملکہ رکھتے تھے۔ اردو اور انگریزی میں آپ فی البدیہہ تقریر کیا کرتے تھے۔ آپ قادر الکلام مقرر ہونے کے علاوہ ایک نامور شاعر بھی تھے۔ آپ نے ان دونوں زبانوں میں کئی کتب تحریر فرمائیں۔ دی ٹرتھ (The Truth) نائیجیریا سے جاری فرمایا جو بفضل اللہ آج بھی جاری ہے۔ آپ کی شفقت اور محبت کا اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ مجھے تصانیف کا سیٹ تحفتاً عنایت فرمایا۔ اس سیٹ میں ایک درجن سے زائد کتب اور پمفلٹس شامل ہیں آپ کا یہ قیمتی تحفہ گاہے بگاہے آپ کی یاد دلاتا رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے تقریباً ساڑھے دس سال آپ الفضل کے ایڈیٹر رہے۔ باوجود معمر ہونے اور پیرانہ سالی کے اپنے فرائض بڑی محنت کے ساتھ بطریق احسن سرانجام دیتے رہے۔ اس دوران آپ کی اہلیہ محترمہ سکینہ سیفی صاحبہ وفات پا گئیں۔ تو اس صدمہ کو بہت محسوس کیا اور جدائی کا دکھ زیادہ عرصہ برداشت نہ کرسکے۔ نتیجتاً دل کے مرض نے آ پکڑا اور صرف ڈیڑھ سال بعد اللہ تعالیٰ کو پیارے ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ دونوں کو غریق رحمت کرے آمین۔

مجھے یاد ہے کہ وفات سے ایک روز قبل خاکسار عیادت کیلئے ہسپتال میں حاضر خدمت ہوا تو صحت کا حال پوچھنے پر فرمایا کہ اب بفضل اللہ اچھی ہے۔ دعا کا فرمایا۔ آپ کو لکھنے اور دوسروں کو ترغیب دلانے کا اس قدر شوق تھا کہ اس آخری ملاقات میں بھی مجھے لکھتے رہنے کی تلقین فرمائی۔ اللہ تعالیٰ مجھے اسی نصیحت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

مکرم سیفی صاحب ایک بہت ہی منجھے ہوئے صحافی مصنف ادیب، فلکار اور جماعت احمدیہ کے بڑے نامور مشہور شاعر تھے کہ پاکستان کی بعض مایہ ناز صحافتی مشہور شخصیات گاہے بگاہے ادارہ الفضل میں تشریف لاتی رہی تھیں جن کے ساتھ اجتماعی گروپ فوٹوز ہوا کرتے تھے۔ جیسے منو بھائی صاحب اور مستنصر حسین تارڑ صاحب وغیرہ۔

بطور تشکر میں یہ عرض کرنا بھی مناسب خیال کرتا ہوں کہ مکرم نسیم سیفی صاحب کا دور ادارت بہت اچھا تھا۔ آپ جہاں اپنی ذمہ داری کا احساس رکھتے تھے وہاں آپ کے رفقاء کار بھی آپ سے ہر ممکن تعاون کرتے تھے۔ آپ کی فراغت 11 مارچ 1998ء کو ہوئی تو پیارے آقا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع کے ارشاد پر مکرم عبدالسمیع خان صاحب نے اس ذمہ داری کو سنبھالا۔ آپ یہ کام بڑی محنت کے ساتھ نہایت ہی احسن رنگ میں ادا کررہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں مزید کامیابیوں سے نوازے۔ آمین

میں نے ان کے ساتھ قریباً سات ماہ تک کام کیا۔ یہ وقت اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت اچھا گزرا۔ اس کی یاد دل میں تازہ رہے گی۔ جب 30 ستمبر 1998ء کو حدیقۃ المبشرین کا اختتام ہوا تو مجھے وکالت دیوان تحریک جدید نے واپس بلالیا ادارہ الفضل کو الوداع کہنے کو دل تو نہیں چاہتا تھا کیونکہ رفقاء کار کے ساتھ بڑی الفت ومحبت پیدا ہو گئی تھی تاہم اس کے باوجود اسے بادل نخواستہ چھوڑنا پڑا۔

آخر میں برادرم مکرم غلام رسول صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں جو عموماً روزانہ چائے وغیرہ سے خاطر تواضع کرتے رہے نیز برادرم مکرم منیر احمد صاحب عرف لالہ جی کا بھی جو اپنی دل پسند ہنسی ومزاح والی گفتگو سے لطف اندوز کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ سب کارکنان کو بسلامت رکھے اور بیش از پیش خدمت کی توفیق دیتا چلا جائے۔ آمین

# الفضل کی کہانی

## (الفضل کی زبانی)

مری تخلیق سے پہلے بہت سی اِلتجائیں ہیں
خدا کے عرش کو چُھو جائیں جو ایسی دعائیں ہیں
مقدّس دل کے اَرمانوں کی میں تعبیر بن پایا
مسلسل فضلِ باری کی گھٹا کا مجھ پہ ہے سایا
ملا اسمِ مبارک مجھ کو دربارِ خلافت سے
اُجالے ہر سُو پھیلیں گے خدا کی پاک قدرت سے
مرا یہ جسم ہے کاغذ بظاہر چند صفحوں کا
دکھائی دے رہا ہے سلسلہ بھی اس پہ لفظوں کا
مگر ہے رُوح میری اصل میں وہ پاک تحریریں
بدل جاتی ہیں جن سے چند لمحوں میں بھی تقدیریں
سراپا نور کے ہالے میں رہتا ہے بدن میرا
دہر میں روشنی کرنا اُٹھا رکھا ہے یہ بیڑا
کبھی بچپن کے دن تھے مشکلیں تھیں تنگدستی تھی
مگر رحمت خدا کی آسمانوں سے برستی تھی
ضخامت میں کمی بیشی رہی، حالات ایسے تھے
کبھی ردّ و بدل کا سامنا، اَوقات ایسے تھے
اگرچہ قادیاں چُھوٹا تو ربوہ بن گیا مسکن
ذرا رُکنا پڑا لاہور، تھا وہ عارضی آنگن
اکیلا میں ہی تھا جو اُس طرف سے اِس طرف آیا
مرے بھائی اُدھر ہی رہ گئے اُن کو نہیں پایا
یہ قسمت ہے کہ میرے سر پہ ہے اِک ہاتھ نورانی
تعلق ہے سماوی جس کا اور قوت ہے روحانی
تمنا میری بندش کی، دلوں میں تلملاتی تھی
مری شہرت سے میرے دشمنوں کی جان جاتی تھی
مقیّد ہو کے رہ جانا، یہ سنت بھی پرانی ہے
خدا والوں کی اب تک ہُوبہو ایسی کہانی ہے
مقدس ہاتھ چھوتے ہیں مجھے، نظروں میں رہتا ہوں
کبھی غافل دلوں کی غفلتوں کے صدمے سہتا ہوں
مری تقدیر میں لکھے گئے ہیں کام روحانی
دلوں کو صاف کرنا، روکنا ہے وار شیطانی
خلافت کا میں بازو ہوں، مقدس کام کرتا ہوں
تعلق پیدا کر کے پھر دلوں میں نور بھرتا ہوں
مرے اندر خزانے دفن ہیں کوئی اگر ڈھونڈے
کہاں اُس کو ملیں گے ایسے گروہ دَربدر ڈھونڈے
ذرا سوچو تو اِک تاریخ ہوں میں احمدیت کی
کیا روشن دلوں کو، میں وہ ہوں شمع حقیقت کی
اگر اُنگلی دباؤ تو اُتر آتا ہوں شیشے میں
بڑا ہو کر کبھی میں پھر سمٹ جاتا ہوں شیشے میں
مرا اِک بھائی ہے سگّا، ہے لندن میں قیام اس کا
وہاں ''الفضل انٹرنیشنل'' رکھا تھا نام اس کا
کہوں میں اَور کیا؟ سمجھو مرا وہ رُوپ ثانی ہے
بہت ہی دن کٹھن تھے بس یہ اِک لمبی کہانی ہے
حجم میں اور کمیّت میں وہ مجھ سے تو بڑا سا ہے
مگر ہے ایک جیسا کام، راتوں میں دیا سا ہے

**طاہر محمود احمد**

# الفضل کے ذریعہ پاک تبدیلیاں

عبدالسمیع خان

☆چوہدری نور احمد صاحب ناصر لکھتے ہیں:۔

میرے دادا چوہدری نور محمد صاحب سفید پوش تھے۔ وہ علاقہ کے بڑے ہی بااثر شخص تھے۔ دور دور تک ان کا چرچا تھا۔ حضرت مسیح موعود کے ایک رفیق چوہدری عبدالقادر صاحب سجووال کے رہنے والے جو اس وقت گورنمنٹ انگریزی میں ملٹری ڈرائیور تھے۔ انہیں علم ہوا کہ اگر وہ چوہدری نور محمد صاحب سفید پوش کو احمدی کرلیں تو سارے علاقے میں احمدیت پھیلنے میں آسانی ہو جائے گی۔ چنانچہ احمدیت کا پیغام پھیلانے کے جنون نے حضرت چوہدری عبدالقادر صاحب کو چوہدری نور محمد صاحب سفید پوش کے پیچھے لگادیا۔ ادھر چوہدری نور محمد صاحب احمدیت کے سخت خلاف تھے اور کوئی بھی بات سننے کے لئے تیار نہ تھے اور ہمیشہ حضرت چوہدری عبدالقادر صاحب سے بدسلوکی سے پیش آتے۔

حضرت عبدالقادر صاحب ان ساری بدسلوکیوں کو درگزر کرتے ہوئے مسلسل آتے اور جماعتی اخبار دادا جان کے تکیے کے نیچے رکھ کر چلے جاتے اور ہمارے دادا جان اس کو بغیر پڑھے اور دیکھے دادی جان کو دے دیتے کہ اسے چولہے میں جلا دینا۔ حضرت چوہدری عبدالقادر صاحب مسیح پاک کے مضبوط جرنیل ثابت ہوئے اور مسلسل یہ سلسلہ جاری رکھا اور ادھر اللہ تعالیٰ نے بھی اس خاندان کو احمدیت کے فیضان سے فیض یاب کرنا تھا ایک دن ہمارے دادا کی نظر اخبار پر لکھے ایک حرف ''محمدؐ'' پر پڑی جب تھوڑا سا اخبار پڑھا لکھا تھا۔

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا
نام اس کا ہے محمدؐ دلبر مرا یہی ہے

اس شعر نے تو گویا ان کی کایا ہی پلٹ دی وہ ڈھول جو علماء سُو نے ان کے دل پر چڑھا رکھی تھی وہ ہٹنے لگی سارا اخبار پڑھا اور پھر بھاگے بھاگے ہماری دادی کے پاس آئے اور کہنے لگے ''حق دی ماں کی تو او اخبار جلا دتے جیڑے او مولوی عبدالقادر لیاندا سی''۔ وہ کہنے لگیں نہیں میں نے سارے سنبھال کے رکھے ہوئے ہیں۔ کہا سارے لے آ۔ جب وہ لائیں تو سارے اخبار ایک ایک کر کے پڑھنے لگے جوں جوں پڑھتے جاتے توں توں دل کی میل صاف ہوتی گئی اس وقت اٹھے جب سارے اخبار ختم ہوگئے اور دل مسیح پاک کی پاکیزہ تحریرات سے دھل گیا اور امام الزماں کا غلام ہو گیا۔ چنانچہ فوراً حضرت عبدالقادر صاحب کو بلایا اور فوراً بیعت کی۔

(الفضل 28/اکتوبر 2011ء ص9)

☆محترمہ وزیر بیگم صاحبہ لکھتی ہیں:۔

1939ء میں میرے خاوند قاضی شریف الدین صاحب نے احمدیت قبول کرلی۔ ایک دفعہ تو گویا ہمارے گھر پر بم گر گیا مگر پھر میں ان کے پاس چلی گئی۔

گھر میں میں احمدیت کی بہت ہی مخالف تھی۔ ہر وقت قاضی صاحب سے ناراض رہتی۔ مگر وہ مجھے کچھ نہیں کہتے تھے۔ انہوں نے یہ کہا کہ میں تو خدا کے فضل سے احمدی ہوگیا ہوں اور اب میں نہیں ہٹ سکتا۔ تمہیں نہیں کہتا کہ تم احمدی ہو جاؤ۔ تمہاری اپنی مرضی ہے۔ مجھے ہر وقت احمدیت کے متعلق اچھی باتیں بتاتے رہتے تھے مگر میں اکثر ان سے ناراض رہتی۔ جب صبح قرآن پاک پڑھتے تو مجھے اس کے معنے بتاتے۔ مسئلہ بھی بتاتے کہ دیکھو قرآن میں یہ لکھا ہے جب سے احمدی ہوئے تھے پانچ وقت نمازیں گھر میں ہی پڑھتے۔ تہجد بھی پڑھتے تھے۔ خدا کے فضل سے بہت ہی دعائیں کرتے۔ میرے لئے بہت ہی دعائیں کرتے رہتے تھے۔ اس وقت میرے دو بچے چھوٹے چھوٹے تھے۔ میں بہت کمزور تھی پھر ان کی طرف سے بہت غم کرتی تھی۔

رشتے دار اور ملنے والے بھی مخالفت کرتے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میری کچھ سہیلیاں میرے گھر آئیں تو میں نے ان کی چائے وغیرہ سے خاطر کی۔ انہوں نے کوئی چیز نہیں کھائی اور کہنے لگیں کہ تو تو مرزائن ہوگئی ہے۔ اس لئے ہم نے تیرے گھر کا کچھ نہیں کھانا۔ جس پر میں بہت روئی اور قاضی صاحب کو کہا کہ دیکھا لوگ کتنا بُرا سمجھتے ہیں وہ ہنس کر کہنے لگے کہ کوئی بات نہیں ایک دن آئے گا کہ وہ خود ہی کھالیں گے۔

گھر میں اخبار الفضل بھی آنا شروع ہوگیا تھا۔ محترم قاضی صاحب الفضل کو اونچا اونچا پڑھتے تھے اور میں سنتی رہتی تھی۔ آخر ایک دن محترم قاضی صاحب کا نیک نمونہ اور دعائیں رنگ لائیں اور میری خوش دامن صاحبہ نے خود ہی ان کو کہہ دیا کہ میری بیعت کا خط بھی لکھ دیں۔ یہ 1940ء کی بات ہے۔

(الفضل 17 نومبر 2011ء)

☆مکرم طارق احمد طاہر صاحب مربی سلسلہ بہاولنگر لکھتے ہیں:۔

روزنامہ الفضل 12 اور 16/اگست کی اشاعت میں چھپنے والے ایک مضمون بعنوان ''عصر حاضر کی طب کی روشنی میں روزہ کی افادیت'' کے بارے میں ذاتی تجربہ آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔

خاکسار نے یہ سارا مضمون نماز فجر کے بعد درس کے طور پر قسط وار احباب جماعت کو سنایا۔ درس کے دوسرے دن ہماری جماعت چک 166 مراد ضلع بہاولنگر کے ایک بزرگ کہنے لگے کہ آپ کا کل کا درس سن کر میں نے آج روزہ رکھا ہے۔ دعا کریں اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے پورا کرنے کی اور الحمدللہ بغیر کسی مشکل کے انہوں نے وہ روزہ مکمل کرلیا اور بعد کے روزے بھی رکھنے شروع کر دیئے اور بیماری کی وجہ سے پچھلے 15 سال سے وہ بزرگ روزے نہیں رکھ رہے تھے۔ اسی طرح حلقہ کی ایک اور جماعت چک 141 مراد دورہ پر گیا تو وہاں بھی اس مضمون کا کچھ حصہ سنایا تو ایک بزرگ نے وہ اخبار مانگ لیا اور سارا مضمون مطالعہ کیا۔

☆مکرم عبدالحمید طاہر صاحب معلم وقف جدید لکھتے ہیں:۔

گزشتہ چند دنوں سے آپ روزنامہ الفضل کے صفحہ اول پر اخلاق عالیہ وارشادات عالیہ حضرت رسول کریم ﷺ شائع کر رہے ہیں۔ یہ بہت ہی حسین اضافہ ہے جو آپ نے کی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو نیک اجر عطا فرمائے۔ آمین

کئی سالوں سے خاکسار سوچ رہا تھا کہ محترم ایڈیٹر صاحب کو اس قسم کی تجویز جانی چاہئے۔ لیکن سچ پوچھئے سستی آڑے آتی رہی سو بہت بھلا کیا آپ نے کہ یہ حسین کام کرہی دیا۔

## الفضل کی قدر ایک ہندو کی نظر میں

☆مکرم ناظر صاحب دعوت الی اللہ قادیان لکھتے ہیں:۔

چندروز ہوئے بعض غریب جماعتوں کے لئے الفضل مفت جاری کرانے کی تحریک کی گئی تھی۔ اس پر جہاں اپنوں میں سے لجنہ اماء اللہ قادیان نے دو اخبار اور میری اہلیہ سیدہ سارہ حکمت صاحبہ نے ایک اخبار مفت جاری کرنے کی اطلاع دی ہے وہاں ہندو اصحاب میں سے جناب لالہ سنت رام صاحب رئیس بشناہ تحصیل رنبیر سنگھ ریاست جموں لکھتے ہیں کہ وہ اخبار الفضل کو روزانہ پڑھتے ہیں اور یہ کہ وہ آپ کی تحریک پر مبلغ تین روپے مینیجر صاحب الفضل کو بھیج رہے ہیں۔ (جو پہنچ چکے ہیں) تاکہ ان کی طرف سے جماعت ریاسی کے نام اخبار الفضل مفت جاری کردیا جائے۔ میں لالہ صاحب محترم کا اس فراخ دلی اور قدردانی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ ایسا ہی لجنہ اماء اللہ قادیان کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اس نے نظارت دعوت الی اللہ کی ضرورت کو پورا کرنے میں میری مدد کی۔ سب سے بڑھ کر صدقہ جاریہ یہ ہے کہ درماندوں کو روحانی غذا پہنچانے کا انتظام کیا جائے۔

(الفضل 22 فروری 1936ء)

## الفضل میں مطبوعہ حضرت مصلح موعود کے خطبات کا اثر

☆ایک صاحب نے اپنے احمدی ہونے سے قبل اپنے ایک احمدی دوست کے نام مندرجہ ذیل خط لکھا۔

الفضل اخبار نے میرے دل میں ایک خاص تبدیلی پیدا کردی ہے خاص کر خلیفہ صاحب کے خطبات بہت مؤثر ثابت ہوئے ہیں۔ ان سادے مگر مسحور کردینے والے خطبات کے بغور مطالعہ کے بعد زنگ آلودہ دلوں کی تسخیر یقینی اور لازمی امر ہے۔ اگر آج نہیں تو کل، کل نہیں تو پرسوں ضرور اس نیک دل اور روشن دماغ کی کرنیں گم گشتہ راہ لوگوں کے لئے ہدایت کا باعث ہوں گی۔

اگر آپ کے پاس بیعت فارم موجود ہوں تو ارسال کرکے ممنون فرمائیں ورنہ مرکز سے منگوانے کی تکلیف گوارا کریں۔

(الفضل 24 مئی 1936ء ص3)

☆ایک غیر احمدی عالم اور دانشور الفضل کے خریدار تھے ان کے متعلق الفضل لکھتا ہے۔

سرشفاعت احمد خان صاحب الہ آباد کئی سال سے الفضل کے مستقل خریدار ہیں حال میں جب ان کی خدمت میں آئندہ سال کے لئے قیمت کی وصولی کا وی پی بھیجا گیا تو خلاف توقع واپس آگیا۔ اس پر بذریعہ خط انہیں وی پی واپس آنے کی اطلاع دی گئی۔ اس کے جواب میں انہوں نے سالانہ قیمت پندرہ روپے کا چیک بھیجتے ہوئے تحریر فرمایا ہے۔

مکرمی بندہ السلام علیکم والا نامہ جناب صادر ہوا مجھے نہایت افسوس ہے کہ الفضل کا وی پی واپس کردیا گیا میں بمبئی تھا ابھی آج آیا ہوں اور نوکروں کی بیوقوفی اور غلطی ہے۔ معافی کا خواستگار ہوں۔

بعض الفضل کے مضامین نہایت دلچسپ ہوتے ہیں اور تقریباً تمام پرچہ روز میں پڑھتا ہوں۔

(الفضل 25/اکتوبر 1940ء ص2)

حضرت مصلح موعود نے خطبہ جمعہ 1935ء میں فرمایا:۔

مجھے کل ہی ایک نوجوان کا خط ملا ہے۔ وہ لکھتا ہے میں احراری ہوں میری ابھی اتنی چھوٹی عمر ہے کہ میں اپنے خیالات کا پوری طرح اظہار نہیں کرسکتا اتفاقاً ایک دن ''الفضل'' کا مجھے ایک پرچہ ملا جس میں آپ کا خطبہ درج تھا میں نے اسے پڑھا تو مجھے اتنا شوق پیدا ہوگیا کہ میں نے ایک لائبریری سے لے کر ''الفضل'' باقاعدہ پڑھنا شروع کیا پھر وہ لکھتا ہے خدا کی قسم کھا کر میں کہتا ہوں اگر کوئی احراری آپ کے تین خطبے پڑھ لے تو وہ احراری نہیں رہ سکتا۔ میں درخواست کرتا ہوں کہ آپ خطبہ ذرا لمبا پڑھا کریں۔ کیونکہ جب

باقی صفحہ 9 پر

مکرم فیض احمد صاحب گجراتی

## ماہر زودنویس اور مصلح موعود کی تقاریر قلمبند کرنے والے

# مولانا محمد یعقوب صاحب طاہر

زودنویسی ایک فن ہے اور بہت ہی مشکل اور محنت طلب فن۔ اس کا اندازہ وہی لوگ کرسکتے ہیں جنہیں اس بحرِعمیق کی شناوری کا اتفاق ہوا ہو۔ یوں تو زودنویسی اپنی ذات میں ایک مشکل کام ہے۔ لیکن جب اس کے ساتھ یہ بھی مدنظر رکھا جائے تو اس کی اہمیت بڑھ جاتی ہے کہ یہ زودنویسی کسی عام مقرر کی تقریروں اور خطبات کے لئے نہیں ہوتی تھی بلکہ اس عظیم الشان مصلح موعود کے ساتھ کام کرنا ہوتا تھا جسے کسی انسان نے نہیں کسی یونیورسٹی نے نہیں بلکہ خود خدائے عرش نے یہ بے مثال ڈگری عطا فرمائی ہوئی ہے کہ

وہ علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا۔

علوم ظاہری و باطنی کے الفاظ ہولے سے زبان کے ساتھ ادا کرلینا آسان ہے لیکن ان کے معانی ومفہوم کی تہہ تک پہنچنا بہت مشکل ہے اور آج یہ حقیقت تو اپنوں اور اغیار کے سامنے ہے کہ ان معانی کی تہہ تک صرف وہی عظیم المرتبت انسان پہنچا ہوگا جس کے متعلق خدائے عرش نے یہ الفاظ فرمائے تھے میری یا کسی دوسرے شخص کی کیا مجال کہ تصور بھی پرواز کر کے رسائی حاصل کرسکے۔

ہاں تو اس عظیم المرتبت مصلح موعود کے ساتھ کام کرنے کے لئے بڑے دل گردے اور شب وروز کی محنت درکار تھی۔ آپ اندازہ تو فرمائیں۔ بولنے والا وہ انسان جو علوم ظاہری و باطنی سے پُر ہے اور پھر جو کچھ وہ بولتا ہے اس کی بات میں کیا ہے۔ ہر ہر لفظ ایک نکتہ ادق ہے۔ ہر ہر جملہ ایک درس علم ہے اور ہر ہر فقرہ دریائے معرفت ہے اور چونکہ متکلم عرش عظیم سے ایک بے مثل سند پائے ہوئے ہے کہ

علوم ظاہری و باطنی سے پُر

اس لئے ظاہر ہے کہ اس کے الفاظ کو تصور اور قلم کی گرفت میں لانا کتنا بڑا کام ہوگا۔ ادھر ایک مشین ہے جو چلتی چلی جارہی ہے اور دقائق ونکات علم ومعرفت ہیں جو موتیوں کی طرح جھڑتے چلے جارہے ہیں اور ادھر ایک کمزور جسم وصحت کا مالک انسان ہے جس کا ہاتھ اور قلم متحرک ہے اور چند منٹ نہیں بلکہ گھنٹوں تک وہ متواتر مصروف حرکت ہے۔ دو دو گھنٹے، تین تین گھنٹے چار چار گھنٹے بلکہ سات سات گھنٹے، علم لدنی کا دریا اپنی پوری تیزی اور روانی کے ساتھ بہتا چلا جارہا ہے اور ایک بیمار سا شخص اس کی تیزی اور روانی کو اپنے حیطۂ قلم میں لاتا جارہا ہے اور وہ بیمار شخص کون ہے، وہی مولوی محمد یعقوب طاہر زودنویس۔ جسے خالق ازل نے پیدا ہی اس لئے کیا تھا کہ اپنے زمانے کا ایک یکتا اور عظیم المرتبت انسان مصلح موعود کی حیثیت میں اپنی روحانی رفعتوں کے ساتھ علم ومعرفت کے دریا بہائے اور وہ کمزور سا زودنویس اپنے قلم کے سحر سے انہیں سمیٹتا چلا جائے۔

یہ میں نہیں کہتا بلکہ حضرت مصلح موعود نے خود اپنی زبان مبارک سے یہ سرٹیفیکیٹ مولانا محمد یعقوب صاحب کو عطا فرمایا تھا۔ حضور نے فرمایا تھا:

''عملی طور پر صرف مولوی محمد یعقوب صاحب ہی اس وقت کام کررہے ہیں۔ جن کو خدا تعالیٰ نے قدرتی طور پر زودنویسی کا ملکہ عطا کیا ہوا ہے اور جو اکثر خطبات اور ڈائریاں وغیرہ صحیح لکھتے ہیں۔...... ان کے لکھے ہوئے مضمون کے متعلق میرا ذہن یہ تو تسلیم کرسکتا تھا کہ کسی بات کے بیان کرنے میں مجھ سے غلطی ہوگئی ہے۔ مگر میرا ذہن یہ تسلیم نہیں کرسکتا تھا کہ انہوں نے کسی بات کو غلط طور پر تحریر کیا ہے''۔

(رپورٹ مجلس مشاورت 1945ء ص87)

یہ اتنا بڑا سرٹیفیکیٹ ہے کہ مرحوم نے تو یقیناً اس پر ناز کیا ہوگا لیکن مرحوم کی نسلیں بھی اس پر فخر کریں تو بجا ہے۔

ناچیز راقم چونکہ خود بھی اس فن میں معمولی سی شد بد رکھتا ہے اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ذرا وضاحت سے عرض کیا جائے کہ حضرت مصلح موعود کے خدام میں ایک زودنویس کی حیثیت سے کام کرنا کتنا مشکل ہے۔ قارئین یہ تو جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ہمارے پیارے امام سیدنا حضرت مصلح موعود کو وہ رعب و دبدبہ عطا فرمایا ہوا ہے کہ بڑے بڑے دنیاوی عہدے رکھنے والے احمدی اور جماعت کے بڑے بڑے علماء حضور کی خدمت میں پیش ہوتے وقت حضور کے بے پناہ رعب اور شخصیت کی وجہ سے اتنے مرعوب ہوتے ہیں کہ اکثر پسینہ آجاتا ہے اور زبان میں لکنت سی پیدا ہو جاتی ہے۔ مولانا محمد یعقوب صاحب طاہر مرحوم سالہا سال تک حضور انور کی خدمت میں پیش ہوکر اور گھنٹوں حضور کے قدموں میں بیٹھ کر تفسیر نویسی کا کام کرتے رہے ہیں۔ جب حضور تفسیر لکھواتے تھے تو تیزی سے بولتے چلے جاتے تھے اور مولانا محمد یعقوب صاحب اسی تیزی سے لکھتے چلے جاتے تھے اور اتنے شکستہ خط میں لکھتے تھے کہ لکھنے والے کے سوائے کوئی اسے پڑھ نہیں سکتا تھا۔ بعد میں گھر پر یا دفتر میں آکر اسے صاف کرتے تھے۔ یعنی صاف خط میں لکھتے تھے۔

صاف کرنے کی اصطلاح شعبہ زودنویسی کی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب خطبہ یا تقریر لکھی جاتی تھی تو اسے شکستہ در شکستہ خط میں لکھا جاتا تھا اور پھر بعد میں اسے صاف خط میں لکھا جاتا تھا۔ اسے صاف کرنا کہا جاتا تھا۔

آج ہماری جماعت میں تفسیر کبیر اور تفسیر صغیر کی صورت میں علم ومعرفت کے جو خزانے موجود ہیں اور جن سے مقام مصلح موعود کی تعیین ہوتی ہے۔ یہ وہی خزانے ہیں جنہیں حضرت مصلح موعود کی زبان فیض ترجمان نے فرمایا اور مولانا محمد یعقوب صاحب طاہر کے قلم نے محفوظ کیا۔ اتنی تیزی کے ساتھ حضرت مصلح موعود کے قدموں میں بیٹھ کر لکھنا اور پھر اسے صاف کر کے حضور کی خدمت میں نظر ثانی کے لئے پیش کرنا کتنی بڑی محنت کا کام تھا اور پھر صرف محنت کا کام نہ تھا بلکہ صاف کرنے کے بعد جب کوئی چیز حضور کی خدمت میں نظر ثانی کے لئے پیش کی جاتی تھی تو جس زودنویس کی مرتب کردہ ہوتی تھی۔ وہ اس وقت تک سخت متفکر رہتا تھا جب تک حضور کے ملاحظہ کے بعد واپس نہ آجاتی تھی۔ جس پر حضور نے اپنے قلم مبارک سے اصلاح یا ترمیم فرمائی ہوتی تھی۔

یہ بہت بڑا کام مولانا محمد یعقوب صاحب طاہر ہی کا حصہ تھا اور حق یہ ہے کہ مرحوم نے اسے کمال جانفشانی اور محنت اور اخلاص سے کیا اور جہاں حضرت مصلح موعود کا جماعت اور اس کی آئندہ نسلوں پر یہ بہت بڑا احسان ہے کہ حضور نے تفسیروں اور تقریروں اور خطبات کی صورت میں علم ومعرفت کے خزانے دیئے۔ وہاں جماعت کو مولانا موصوف کا بھی احسان مند ہونا چاہئے کہ انہوں نے اپنی جان کی بازی لگا کر یہ خزانے محفوظ کرنے میں بہت بڑی خدمت ادا کی ہے۔

قارئین کے علم میں اضافہ کے لئے بعض امور کی وضاحت کرنا ضروری ہے۔ تا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب کی خدمات عظیمہ کا صحیح تصور کیا جاسکے اور ان کے حق میں وہ دعا کی جاسکے جو واقعی ان کا حق ہے۔

(1) ہمارے پیارے آقا سیدنا حضرت مصلح موعود کی تقریروں اور خطبات کی عام سپیڈ 90,85 الفاظ فی منٹ رہی ہے۔ لیکن جب حضور انور مجلس علم وعرفان میں (جو ہمیشہ بعد نماز مغرب (بیت) مبارک میں منعقد ہوا کرتی تھی تقریر فرماتے تو 100 الفاظ تک فی منٹ کی رفتار سے بھی تقریر فرمایا کرتے تھے۔ بلکہ بعض اوقات تو یہ رفتار بڑھ کر 120 الفاظ فی منٹ تک بھی ہو جاتی تھی۔ (خود خاکسار راقم نے بعض ملفوظات اسی رفتار سے قلمبند کئے تھے) اس رفتار میں تقریروں کا قلمبند کرنا کوئی معمولی بات نہیں۔ ایک بہت بڑا کام ہے۔

(2) یہ انکشاف بھی اکثر احباب کے لئے شاید نیا ہوگا کہ حضور انور کی ایک گھنٹہ کی تقریر الفضل کے آٹھ صفحات پر حاوی ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور انور جلسہ سالانہ کے ایام میں جو علمی تقاریر فرماتے رہے ہیں اور جو عموماً سات گھنٹوں کی ہوا کرتی تھیں وہ الفضل کے 56 صفحات کی ہوتی تھیں۔ یعنی درسی کتابی سائز 30x20/16 کے 224 صفحات۔ آپ اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مولانا محمد یعقوب صاحب طاہر نے جو سیر روحانی جیسی جلسہ سالانہ کی علمی تقریریں قلمبند کی ہوں گی ان پر ان کے جسم کی کتنی قوت صرف ہوئی ہوگی۔ میرا تو ان کی صحت کی خرابی کے بارہ میں نظریہ ہمیشہ یہی رہا کہ ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ تحریری خدمات میں قوت صرف کرتے ہوئے گزرا۔

(3) یوں تو شعبہ زودنویسی میں کئی کارکن آتے اور جاتے رہے۔ مگر مستقل طور پر اس محکمہ میں اگر کسی شخص نے کام کیا ہے تو وہ مولانا موصوف تھے۔ چونکہ کام کی نوعیت بہت سخت تھی اور محنت طلب کام ہوتا تھا۔ اس لئے اکثر زودنویس کام سے گھبرا کر چلے جاتے تھے۔ عام طور پر اگر ایک زودنویس کو روزانہ مجلس علم وعرفان کی ڈائری لکھنی پڑے تو وہ فل سکیپ کے قریباً چالیس صفحات پر حاوی ہوتی تھی۔ یا یوں سمجھئے کہ الفضل کے سات یا آٹھ صفحات کی ہوتی تھی اور یہ اتنا بڑا کام ہے کہ ایک عام آدمی اسے سمجھ نہیں سکتا۔ یعنی پہلے تو مجلس کے اندر شکستہ خط میں ڈائری لکھنا اور پھر اسے گھر آکر اسی وقت صاف کرنا جس کا مطلب یہ ہے کہ روزانہ 80 صفحات تحریر کرنا۔ لیکن یہ مولانا محمد یعقوب صاحب کا دل گردہ ہی تھا کہ انہوں نے بڑی استقامت کے ساتھ اس عہد وفا کو نبھایا اور رہتی دنیا تک جماعت کی دعاؤں کے مستحق بن گئے۔

(4) شعبۂ زودنویسی میں جب کوئی نیا زودنویس آتا تھا تو یہ خاکسار کا ذاتی تجربہ ہے کہ مولانا محمد یعقوب صاحب اسے بڑی محبت اور شفقت کے ساتھ زودنویسی کے بعض خاص گر بتایا کرتے تھے اور اس کے مرتب کردہ خطبات وتقاریر پر نظر ثانی کرتے وقت اصلاح طلب مقامات کے بارہ میں سمجھایا کرتے تھے اور اپنے ماتحت زودنویسوں کے ساتھ بڑی محبت سے پیش آیا کرتے تھے۔ گویا جہاں تک ان کی ایک افسر کی حیثیت تھی اس سے زودنویس مطمئن وممنون رہتے تھے۔

(5) یوں تو زودنویسی کے لئے اردو شارٹ ہینڈ

بھی ایجاد ہو چکا ہوا ہے۔لیکن یہ عجیب بات ہے کہ شارٹ ہینڈ اس شعبہ میں کام نہیں دیتا تھا اور ایک نوجوان عبدالکریم صاحب شرما جنہیں شارٹ ہینڈ کی ٹریننگ دلائی گئی تھی ان کا کہنا تھا کہ حضور انور کے خطبات اور تقاریر کے لئے شارٹ ہینڈ (Short Hand) کام نہیں دے سکتا۔انہوں نے اس شعبہ میں کچھ ماہ کام کیا۔لیکن چونکہ ان کا بازو متاثر ہونے لگا تھا۔یعنی وہ بعض اوقات اپنے بازو میں سکتے یا شل ہونے کی کیفیت پاتے تھے اس لئے وہ اس شعبہ میں کام نہ کر سکے۔اس کے مقابل پر مولانا محمد یعقوب صاحب نے جو فن ایجاد کیا تھا اور جو شارٹ ہینڈ کے بالکل برعکس تھا وہ ’’لانگ ہینڈ‘‘ (Long Hand) یعنی الفاظ کو شکستہ خط میں اس کی پوری شکل میں لکھا جاتا تھا اور اس فن میں مولانا کو ہی مہارت تھی کہ وہ ستر فیصد الفاظ تحریر کر لیا کرتے تھے۔کا۔کو۔کے۔سا۔سے وغیرہ الفاظ چھوڑتے جاتے تھے۔جنہیں صاف کرتے وقت پُر کر لیتے تھے اور یہی وہ فن تھا جو وہ نوآزمودہ زودنویسوں کو تھوڑی سی دیر میں سمجھا دیا کرتے تھے۔لیکن کوئی بھی زودنویس اس رفتار کو نہ پہنچ سکا جو مولانا موصوف کی تھی۔یعنی ستر فیصد، دوسرے زودنویس عام طور پر زیادہ سے زیادہ 50 فیصد الفاظ لکھا کرتے تھے اور باقی حصے مرتب کرتے وقت پُر کیا کرتے تھے۔ظاہر ہے کہ پچاس فیصد کی نسبت ستر فیصد لکھنے والا زیادہ عمدگی سے مرتب کر سکتا ہے۔اسی لئے مولانا محمد یعقوب صاحب کو یہ سرٹیفکیٹ ملا اور جلیل القدر مصلح موعود کی طرف سے ملا۔

’’ان کے لکھے ہوئے مضمون کے متعلق میرا ذہن یہ تو تسلیم کر سکتا تھا کہ کسی بات کے بیان کرنے میں مجھ سے غلطی ہوگئی ہے۔مگر میرا ذہن یہ تسلیم نہیں کرتا تھا کہ انہوں نے کسی بات کو غلط طور پر تحریر کیا ہے۔

(6) ایک گھنٹہ کی تقریر یا خطبہ کو صاف کرنے کے لئے آٹھ گھنٹے درکار ہوتے ہیں۔اس شرط کے ساتھ کہ 24 گھنٹے کے اندر اندر اسے صاف کر لیا جائے۔جبکہ ساری تقریر زودنویس کے ذہن میں ہو۔ورنہ زیادہ وقت گزر جانے پر وہ تقریر ذہن سے اتر جائے گی اور اپنا لکھا ہوا بھی پڑھنا بھی دشوار ہو جائے گا۔اسی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مولانا محمد یعقوب صاحب جنہوں نے حضور انور کے ہزاروں خطبات جمعہ اور خطبات نکاح اور تقاریر اور مجلس علم وعرفان کی ڈائریاں اور مختلف تقاریر کی تقریریں قلمبند کیں۔انہوں نے کس قدر زیادہ محنت کی ہوگی!!

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کرسی پر بیٹھ کر قلم سے لکھ لینا بھلا کونسا مشکل کام ہے۔لیکن درحقیقت یہ آسان کام نہیں ہے۔اس کا اثر جہاں دوسرے اعصاب پر پڑتا ہے وہاں کمر خاص طور پر متاثر ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ مولانا محمد یعقوب صاحب طاہر کی کمر مسلسل اور بہت زیادہ محنت کے کام کی وجہ سے مستقل طور پر ایک طرف جھکی ہوئی تھی۔یہ ان کی نشست تھی جو منجمد ہو کر ایک سانچے میں ڈھل گئی تھی۔میں قربان جاؤں اس جھکی ہوئی کمر پر جس کے سلسلہ عالیہ احمدیہ کی عظیم الشان خدمت میں جھک کر جماعت کے لئے حضرت مصلح موعود کے علم وعرفان کا ایک بے حد قیمتی ذخیرہ محفوظ کر دیا جس سے رہتی دنیا تک روحانیت کے پیاسے اپنی تشنگی کو بجھاتے رہیں گے۔

مولانا مرحوم کو قرآن، حدیث اور فقہ کے علوم پر کافی عبور حاصل تھا اور ان کے حوالجات اس طرح یاد تھے کہ وہ ایک چلتے پھرتے انسائیکلو پیڈیا تھے۔میرے جیسے کم علم اور کم تجربہ زودنویس جب حضور انور کے خطبات وتقاریر نوٹ کرتے تھے تو جلدی میں لکھنے کی وجہ سے اور پھر رفتار تحریر کم ہونے کے باعث بعض حوالے رہ جاتے تھے جنہیں نظر ثانی کے وقت مولانا موصوف ہی لکھا کرتے تھے۔وہ طب یونانی اور ہومیوپیتھی میں بھی کافی شغف رکھتے تھے۔میں نے ایک مرتبہ قادیان میں ان سے استعجاباً دریافت کیا کہ آپ ہومیوپیتھی کی اتنی بڑی بڑی کتابیں بھی زیر مطالعہ رکھتے ہیں اور پھر اتنا زیادہ کام بھی کرتے ہیں تو فرمانے لگے کہ ابتداء میں جب میں نے زودنویسی شروع کی تو میں نے دیکھا کہ حضور اپنی تقریروں اور خطبات میں بعض دوائیوں کا ذکر بھی فرماتے ہیں۔جن کے نام مجھے نہیں آتے تھے اور دوسرے لوگوں سے دریافت کرنا پڑتا ہے اور اس طرح ایک سبکی سی محسوس ہوتی ہے۔لہٰذا میں نے علم طب کی طرف توجہ کی گویا یہ طلب علم کے علاوہ ان کی غیرت کا تقاضا بھی تھا جو انہوں نے پورا کیا۔

جہاں تک شارٹ ہینڈ کا تعلق ہے یہ ایک مفید فن ہے۔لیکن جیسا کہ میں نے اوپر عرض کیا ہے شارٹ ہینڈ اس شعبہ میں کام نہیں دے سکتا تھا۔کیونکہ شارٹ ہینڈ لکھنے والوں کو اتنی لمبی اور علمی تقریریں لکھنے کی پریکٹس نہیں دی جاتی۔وہ عام طور پر لیڈروں کی تقریریں یا صاحب کے لکھائے ہوئے مسودات لکھتے ہیں جن کی رفتار بہت کم ہوتی ہے اور لیڈروں کی تقریریں تو صرف جستہ جستہ مقامات سے ہی محفوظ کی جاتی ہیں۔لیکن حضور انور کے خطبات کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک زیر وزبر محفوظ کرنا ہوتا تھا اور منٹوں کے حساب سے نہیں بلکہ گھنٹوں کے حساب سے تقریریں ہوا کرتی تھیں۔لہٰذا شارٹ ہینڈ والے یہاں نہیں چل سکتے تھے اور یہاں لانگ ہینڈ ہی کام دے سکتا تھا اور اس فن کی ایجاد اور اسے اس کی معراج تک پہنچانے کا سہرا مولانا محمد یعقوب صاحب مرحوم کے سر ہی تھا۔جنہوں نے اس فن میں اس قدر دسترس حاصل کی اور اللہ تعالیٰ نے اپنی تائید ونصرت سے انہیں ایسا نوازا کہ حضرت مصلح موعود نے آپ کو وہ عظیم الشان سرٹیفکیٹ عطا کیا جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

مولانا مرحوم بڑی ہی شگفتہ اور باغ و بہار طبیعت رکھتے تھے اور انہیں چٹکلے اور لطیفے یاد ہی نہ تھے بلکہ انہیں بیان کرنے کا عمدہ سلیقہ تھا۔گو وہ اپنے فرائض کی مصروفیات کے باعث عام طور پر مجالس سے مجتنب رہتے تھے۔لیکن اپنے مخصوص احباب کے حلقہ میں اپنی شگفتگی طبع کے باعث وہ مقبول و محبوب تھے۔

بہرحال مولانا مرحوم اپنے فن میں یکتائے روزگار تھے۔بلکہ ایسا کہنا چاہئے کہ وہ اس فن میں ورلڈ چیمپئن (World Champion) تھے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اس فن میں اتنی دستگاہ بخشی تھی اور ان کے قلم اور بازو میں اتنی طاقت دی تھی جس میں کوئی ان کا ہمسر نہ تھا اور وہ اکیلے دس آدمی کے برابر کام کرتے تھے۔دور اول میں چونکہ مجبوراً تلوار کے جہاد کی ضرورت پیش آئی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ میں ایسے ایسے جری اور بہادر پیدا کئے جو اکیلے اکیلے بیسیوں دشمنوں کا مقابلہ کر کے کامیاب ہوا کرتے تھے۔لیکن حضرت مسیح موعود کا زمانہ چونکہ قلمی جہاد کا زمانہ ہے اس لئے اس زمانہ میں ایسے ہی لوگوں کو ضرورت تھی جو اکیلے دس دس بیس بیس آدمیوں جتنا قلم کا کام کریں۔چنانچہ آپ دیکھ لیں حضرت مسیح موعود کے زمانہ میں حضرت مفتی محمد صادق صاحب۔حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی جیسے لوگ تھے جو زودنویسی کے فن میں مشاق تھے اور حضور کی سیر کے وقت کی ڈائری بھی چلتے چلتے قلمبند کر لیا کرتے تھے۔حالانکہ چلتے چلتے لکھنا ایک بہت ہی مشکل امر ہے پس قلمی جہاد کے زمانہ میں قلمی مجاہدین اور شہسواروں کی ضرورت تھی جو اپنے وقت میں مولانا محمد یعقوب صاحب نے بڑی عمدگی اور بڑے ہی سلیقہ کے ساتھ پوری کی۔اب تو ریکارڈنگ مشینیں نکل آئی ہیں لیکن مولانا مرحوم اپنے زمانہ کی ریکارڈنگ مشین تھے اور ان کے کمزور سے جسم اور کمزور سے بازوؤں کو اللہ تعالیٰ نے حیرت انگیز قوت عطا کی تھی اور وہ بظاہر بیمار اور منحنی سا انسان سلسلہ عالیہ احمدیہ کی وہ خدمت کر گیا جو دس افراد مل کر بھی نہیں کر سکتے تھے۔

(بدر یکم اپریل 1965ء)

بقیہ صفحہ 7۔ پاک تبدیلیاں

آپ کا خطبہ ختم ہو جاتا ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ دل خالی ہوگیا اور ابھی پیاس نہیں بجھی۔تو سچائی کہاں کہاں اپنا گھر بنا لیتی ہے وہ چھوٹے بچوں پر بھی اثر ڈالتی ہے اور بڑوں پر بھی۔

(خطبات محمود جلد 16 ص 361)

1940ء میں غیر مبائعین کے سابق منتظم مہمان خانہ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی خدمت میں سیالکوٹ سے لکھا۔

آداب کے بعد عرض ہے کہ بندہ جناب سید حامد شاہ صاحب مرحوم سیالکوٹ کے خاندان اور حضرت مسیح موعود کے (رفقاء) سے ہے اور حضرت اقدس کی بیعت کا شرف حاصل ہے۔ان کے بعد حضرت خلیفہ اول کی بیعت کی اس کے بعد چند ایک وجوہ سے لاہور کی جماعت کے ہاں سلسلہ آمد ورفت رہا۔مگر حضور کی عزت اور احترام بدستور میرے دل میں رہا۔

یہ میرا ایمان ہے کہ کسی جماعت کی تنظیم یا ترقی اس وقت تک نہیں ہو سکتی۔جب تک کسی خلیفہ یا امیر کے ماتحت نہ ہو اور اس کے حکم کے ماتحت نہ چلے۔مگر لاہور کی رہائش میں مجھے جو تجربہ ہوا۔وہ یہ ہے کہ ان لوگوں میں تنظیم نہیں ہے اور وہی وہ اپنے امیر کے ماتحت چلتے ہیں۔کئی ایک ان میں خودسر ہیں اور حضرت امیر مولوی محمد علی صاحب چشم پوشی فرماتے ہیں۔دوسرے اخلاقی حالت بھی مصری عبدالرحمن صاحب کے لاہور آنے پر درست نہ رہی اور پبلک گفتگو بھی شرافت کی حد سے گر گئی ہے۔

چونکہ حضور کی عزت اور احترام میرے دل میں بہت تھا۔اس لئے میں برداشت نہ کر سکتا تھا اور اکثر بحث مباحثہ تک نوبت پہنچتی تھی۔جس سے مجھے قادیانی جاسوس کہنے لگے۔چونکہ ان ایام میں میری رہائش لاہور احمدیہ بلڈنگ میں تھی اور میں سپرنٹنڈنٹ مہمان خانہ بھی تھا۔اس لئے حالات زیادہ وضاحت سے معلوم ہوتے رہے۔جس سے میں ان لوگوں سے دلبرداشتہ ہوگیا اور حضور کی قدم بوسی کا اشتیاق بڑھتا گیا۔انہی دنوں جناب میر عبدالسلام صاحب لندن سے سیالکوٹ آئے ہوئے تھے جو کہ میرے ماموں زاد بھائی ہیں اور ہم زلف بھی ہیں۔انہوں نے مجھے سیالکوٹ کی رہائش کا مشورہ دیا۔چنانچہ دو سال سے میں سیالکوٹ میں ہوں۔یہاں اخبار الفضل روزانہ پڑھتا رہا اور جناب ہمشیرہ صاحبہ سیدہ فضیلت بیگم سے تبادلہ خیالات بھی ہوتا رہا جس سے میرے تمام شکوک رفع ہوگئے۔

اب میں حضور سے سابقہ غفلت اور کوتاہیوں کی معافی چاہتا ہوں اور حضور کی بیعت میں داخل ہوتا ہوں اور فارم بیعت پُر کر کے ارسال خدمت کرتا ہوں۔حضور میری بیعت قبول فرمائیں اور میرے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے استقامت دے۔

(الفضل 24 مئی 1940ء)

فرخ سلمانی

# الفضل سے احباب جماعت کی محبت

☆مکرم مجید احمد بشیر صاحب اپنی والدہ مریم صدیقہ صاحبہ کے متعلق لکھتے ہیں:۔

والدہ محترمہ گو زیادہ تو نہ پڑھی تھیں لیکن کتب اور رسائل کے مطالعہ کا بے حد شوق تھا۔ روزنامہ الفضل کا باقاعدگی سے مطالعہ کرتیں اور بعض دفعہ کوئی اچھی چیز اس میں سے پڑھ کر بچوں کو بھی سناتیں یا ان کے شوق کو بڑھانے کی خاطر ہم میں سے کسی کو کہہ دیتی کہ بیٹا اس کو پڑھ کر سناؤ۔

(الفضل 8 مارچ 2012ء ص 4)

☆مکرم رفیق احمد ناصر صاحب ربوہ تحریر کرتے ہیں:۔

میری والدہ مکرمہ ناصرہ بیگم صاحبہ اہلیہ مکرم رشید احمد صاحب جاوید بھیروی الفضل اس انہماک سے پڑھتیں کہ اگر کسی دن کا الفضل نہ ملتا تو اس تاریخ کا الفضل پڑھے بنا سکون نہ آتا۔ الفضل پڑھتے وقت جو مضمون زیادہ اچھا لگتا اسے الگ کر کے ایک بیگ میں ڈال لیتیں۔ بعد از وفات جب میں نے وہ بیگ دیکھا تو اس بیگ میں الفضل کے وہ شمارے تھے جن میں شمائل ترمذی، سیرۃ النبی ﷺ، شہدائے لاہور کے بارے میں نظمیں، صحابہ رسولؐ کے بارے مضامین اور خلفائے سلسلہ کی سیرۃ و سوانح کے مضامین تھے۔

(الفضل 11 نومبر 2011ء ص 7)

☆مکرم شہزادہ قمر الدین مبشر صاحب اپنے والد چوہدری محمد دین مجاہد صاحب کے متعلق لکھتے ہیں:

ابا جان بتایا کرتے تھے کہ بچپن سے ہی روزنامہ الفضل اور ہفت روز بدر قادیان اور جماعتی رسائل پڑھنے کا بے حد شوق رہا کیونکہ ہمارے دادا جان چوہدری مہر دین صاحب مرحوم صدر جماعت احمدیہ ٹوبہ ٹیک سنگھ نے شروع سے ہی الفضل اور ہفت روزہ بدر گھر میں جاری کروایا ہوا تھا اور ان دونوں اخبارات کی باقاعدہ جلد بنوا کر رکھا کرتے تھے۔ ابا جان کہا کرتے تھے کہ الفضل اخبار انسان کی دینی اور دنیوی معلومات کا ایک بہترین ذریعہ ہے یہ ایک روحانی نہر ہے جو کہ مرکز سے نکلتی ہے اور پوری دنیا کے احمدیوں کے دلوں کو سیراب کرتی ہے اس میں خلیفہء وقت اور مرکز کی تازہ ترین ہدایات اور حضور اقدس کا خطبہ جمعہ ہوتا ہے اگرچہ ایم۔ٹی۔اے پر لائیو خطبہ ہم سن بھی لیتے ہیں لیکن خطبہ جمعہ دوبارہ اخبار میں پڑھ کر ہمیں یاد دہانی ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں حضرت مسیح موعود کے ملفوظات اور علماء سلسلہ کے قیمتی مضامین ہوتے ہیں جو کہ ازدیاد علم کا باعث ہوتے ہیں۔ اور حضرت مصلح موعود فرمایا کرتے تھے کہ ایسا زمانہ آئے گا کہ الفضل کی ایک ایک جلد ہزاروں روپے خرچ کرنے کے بعد بھی ملنی مشکل ہو گی جب بھی ابا جان یو کے ہمارے پاس تشریف لاتے تو بچوں کو اور آئندہ نسلوں کو اردو لکھنے پڑھنے کے بارے میں ضرور توجہ دلاتے۔ (الفضل 20 جولائی 2011ء)

☆محترمہ ذکیہ بیگم صاحبہ مکرمہ امۃ الرشید چوہدری صاحبہ کے ذکر میں لکھتی ہیں:۔

انہیں روحانی خزائن اور دیگر جماعتی لٹریچر کا اکثر مطالعہ کرتے دیکھا ہے کوئی نہ کوئی کتاب ہمیشہ ان کے تکیے کے نیچے رکھی ہوتی روزنامہ الفضل اپنے نام جاری کرا رکھا تھا سارا اخبار اول سے آخر تک مطالعہ کیا کرتی تھیں اور بعض اہم مضامین کے پڑھنے کی طرف ہم ملنے والوں کو توجہ دلایا کرتی تھیں۔ (الفضل یکم اکتوبر 2011ء)

☆محترمہ عزیزہ بیگم صاحبہ باقاعدگی سے الفضل اور دیگر دینی رسالوں کا مطالعہ کرتیں۔ بہت سی نظمیں زبانی یاد تھیں اور اکثر سنایا کرتیں۔

(الفضل 25 جولائی 2011ء)

## جماعت سے تعلق کا ذریعہ

☆محترمہ امینہ مبارکہ صاحبہ فاروق آباد ضلع شیخوپورہ لکھتی ہیں۔

خاکسار کے ابا جان چوہدری محمد یعقوب خان صاحب نے ہمیشہ الفضل گھر میں لگوائی۔ جب ہم لوگ ابھی بچے ہی تھے تو یہ سوچ کر کہ بچوں کو الفضل پڑھنے کا وقت کم ملتا ہے بچوں کو کہتے کہ اگر ساری اخبار پڑھنے کا موقع نہیں ملتا تو کم از کم ''ارشادات حضرت مسیح موعود'' والا صفحہ ضرور پڑھ لیا کرو۔ نیز فرماتے تھے کہ الفضل اخبار سے انسان جماعت کے ساتھ intouch رہتا ہے۔

☆خاکسار کے نانا جان میاں مہر اللہ صاحب ساری الفضل بلند آواز سے پڑھتے۔ ہماری نانی جان غور سے سنتیں۔ بعض اوقات نانی جان کہتیں آپ تھک جائیں گے آہستہ پڑھیں تو نانا جان کہتے میں اس لیے اونچی آواز میں پڑھتا ہوں تا کہ جو بچے اپنے کام کی غرض سے گزرتے ہیں ان کے کان میں بھی کوئی بات پڑ جائے۔ خاکسار کی امی جان اپنے بچوں سے الفضل اخبار سنا کرتی تھیں میرے ابا جان کہا کرتے تھے کہ کوئی وقت آئے گا کہ یہ (پرانی) الفضل اخبار کا ایک ایک پرچہ ہزار، ہزار روپے کا ملا کرے گا۔

☆مکرمہ سعیدہ احسن صاحبہ اپنی بہن رشیدہ اختر صاحبہ کے متعلق لکھتی ہیں:۔

الفضل کا مطالعہ تو گویا اس کی غذا تھی۔ روزانہ بچوں کو الفضل کے مضامین سے آگاہ کرتی اور تاکید کرتی کہ خود بھی پڑھیں۔ شدید تکلیف دہ علالت میں جرمنی کے ہسپتال میں داخل تھی۔

☆مکرم محبّ اللہ خالد صاحب مربی سلسلہ بورکینا فاسو لکھتے ہیں:۔

روزنامہ الفضل خدا کے فضل سے ہمیں باقاعدگی سے ملتا ہے اور پڑھ کر اور اس کا معیار دیکھ کر آپ لوگوں کے لئے دل سے دعا نکلتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کے تمام عملہ کو جزائے خیر دے۔ آمین

روزنامہ الفضل سے ہمیں اپنے خطبات اور خطابات کی تیاری کا مواد بڑی آسانی سے مل جاتا ہے۔ حضرت اقدس مسیح موود کے اقتباسات اور اسی سے متعلق احادیث ہمارے لئے بڑے مفید ثابت ہوتے ہیں۔

اسی طرح جو آپ کے نمبرز شائع ہوتے ہیں۔ مثلاً مصلح موعود نمبر، خلافت نمبرز وغیرہ ان سے بھی ہمیں اپنی تقاریر تیار کرنے میں بہت مدد ملتی ہے اور ان کا ترجمہ کر کے احباب جماعت کے علم میں بھی اضافہ کیا جاتا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ الفضل کو دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔

☆مکرمہ طاہرہ زرتشت ناروے سے لکھتی ہیں:

دیار غیر میں ہمیں بفضل اللہ تعالیٰ روزنامہ الفضل سے استفادہ کرنے کی توفیق ملتی رہی ہے اور یہ ایک ایسا خبار ہے جو دینی و دنیاوی علوم کا خزانہ ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ ظلمت کے اس دور میں حق اور سچائی کا علمبردار ہے۔ آپ اور آپ کے رفیق کار آزمائش کے بڑے ہی کٹھن دور سے گزر رہے ہیں اور بڑی ہمت اور جوانمردی سے ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے خاص کرم اور خلیفہ وقت کی دعاؤں کے ساتھ تمام مشکلات دور ہوں اور اللہ تعالیٰ آپ کا نگہبان ہو اور اس کی تائید و نصرت ہمیشہ عطا ہوتی رہے۔

☆مکرم میر غلام احمد نسیم صاحب نیوجرسی امریکہ سے لکھتے ہیں:۔

روزنامہ الفضل کے بنڈل کا انتظار رہتا ہے اور ملنے پر خوشی ہوتی ہے۔ علمی مضامین کے مطالعہ اور پھر اعلانات کے صفحہ پر سانحہ ارتحال کے مطالعہ پر جب نظر پڑتی ہے تو کسی کا یہ شعر یاد آ جاتا ہے۔ کیونکہ ان میں ہمارے ملنے والے بھی ہوتے ہیں اور کہ ہماری اپنی حالت بالکل اس شعر کے مطابق ہو چکی ہے۔

ہوش و حواس تاب و تواں داغ جا چکے
اب ہم بھی جانے والے ہیں سامان تو گیا

☆ایک معلم سلسلہ لکھتے ہیں:۔

خاکسار کے نام پرچہ الفضل بذریعہ مقامی ہاکر موصول ہوتا تھا جو کہ قریباً دو ماہ سے ہاکر نے الفضل یہ کہہ کر لانے سے انکار کر دیا ہے کہ مجھے دھمکی ملی ہے (بعض آدمیوں کی طرف سے) کہ اگر تو آئندہ الفضل اخبار لے کر آیا اور کہیں نظر آیا گولی سے اڑا دیا جائے گا۔ پہلے تو ہم نے انتظار کیا شاید یہ عارضی تعطل ہو لیکن کوئی صورت بحالی کی نظر نہیں آتی۔ دیگر احمدیوں کے ہاں بھی حلقہ میں الفضل اخبار نہیں آ رہا۔ لہٰذا گزارش ہے کہ خاکسار کے نام بذریعہ کوریئر (ایک ہفتہ کے پرچے) بنڈل کی صورت میں بھجوا دیئے جایا کریں۔

☆مکرم بشارت اللہ مہر صاحب لکھتے ہیں:۔

خاکسار ایک کمپنی میں ملازمت کرتا ہے گزشتہ دنوں ڈینگی بخار کے متعلق مختلف اخباروں اور رسالوں میں مضامین شائع ہوئے۔ ہماری کمپنی کے سینئر میڈیکل آفیسر جو کئی ہسپتالوں کے انچارج ہیں انہوں نے بہت سارے مضامین دیکھے۔ جن میں روزنامہ الفضل میں شائع ہونے والا ڈاکٹر سلطان احمد مبشر صاحب کا مضمون بھی تھا۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ ڈاکٹر صاحب کا یہ مضمون سب سے اچھا اور اعلیٰ ہے انہوں نے یہاں سب ملازمین کو یہ مضمون ای میل کیا اور نوٹس بورڈ پر بھی لگایا۔

## پاکستان نمبر 2011ء

☆مکرم محمد الیاس منیر صاحب مربی سلسلہ جرمنی پاکستان نمبر 2011ء کے متعلق لکھتے ہیں:۔

یوم آزادی کے موقع پر نہایت شاندار معلومات سے بھرپور اور مستند حقائق پر مشتمل نمبر نکالنے پر میری طرف سے سارے ہی ادارے کے لئے دلی مبارکباد قبول فرمائیں، ماشاء اللہ، اللہ کرے زور صحافت اور زیادہ، آمین

☆مکرم رانا عبدالرزاق صاحب لندن سے لکھتے ہیں:۔

اس بار جو آپ نے آزادی نمبر نکالا ہے۔ وہ پڑھ کر بہت ہی اچھا لگا۔ اس میں متفرق مضامین کا ایک خوبصورت گلدستہ تھا۔ مکرم ندیم احمد فرخ صاحب کا مضمون قائد اعظم کا تصور پاکستان اور مکرم صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب کا مضمون باؤنڈری کمیشن کے متعلق معلومات اور مکرم راجا نصر اللہ خاں کا مضمون چوہدری ظفر اللہ خاں کے متعلق دنیا کے دانشوروں کی آراء اور مکرم طاہر محمود احمد صاحب کا مضمون تعمیر پاکستان میں جماعت احمدیہ کا کردار بہت ہی معلوماتی اور مفید مضامین تھے۔ ان کے علاوہ سرورق کی تصاویر اور مشہور تاریخی عمارات اور پرانے ٹکٹوں کی تصاویر بہت ہی دیدہ زیب اور معلوماتی تھیں۔ خدا تعالیٰ آپ سب کو ان کٹھن حالات میں اس عظیم کام کرنے میں مدد اور نصرت فرماتا رہے اور آپ سب کی خدمت بھی قبول فرمائے۔ آمین

☆مکرم محمد اشرف کاہلوں صاحب فیصل آباد سے لکھتے ہیں:۔

مؤقر روزنامہ الفضل کا یوم پاکستان کے حوالہ سے شمارہ تاریخی حقائق و واقعات اور مستند حوالہ جات کی بنا پر خوب نمبر ہے۔ اس پرچہ کی تیاری اور تدوین و ترتیب میں جن احباب نے حصہ لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر و برکت سے نوازے۔ آمین

علاوہ ازیں ''الفضل'' کا پرچہ علمی، ادبی اور روحانی آب و تاب کا مظہر ہے۔ خدا تعالیٰ اس کی اشاعت میں برکت ڈالے اور یہ احباب کو روحانی

مائدہ دیتا چلا جائے اور حضرت سلطان القلم کی امیدوں کا مظہر بنائے۔ آمین

## سالانہ نمبر 2011ء

☆مکرم نصیر احمد قمر صاحب ایڈیٹر الفضل انٹرنیشنل لکھتے ہیں:۔

روزنامہ الفضل ربوہ کا سالانہ نمبر 2011ء موصول ہوا۔ جزاکم اللہ

یہ سالانہ نمبر نہایت خوبصورت اور پُر از معلومات ہے۔ ''خدمت خلق نمبر'' نکالنے پر دلی مبارکباد قبول کریں۔ اللہ تعالیٰ سب مضمون نگاروں اور اس نمبر کی ترتیب وتدوین میں خدمت بجالانے والوں کو جزائے خیر سے نوازے۔ اس موضوع پر یہ مختصر مگر بہت عمدہ اشاعت ہے۔ جماعت احمدیہ کی خدمت خلق کا تذکرہ تو ایسے کئی ایڈیشنز میں بھی سما نہیں سکتا۔ جماعتی طور پر اور انفرادی حیثیت میں بھی مختلف سطحوں پر خدمت خلق کا ایک بڑا حصہ تو سرانجام ہو رہا ہوتا ہے اور لوگوں کی نظر سے پوشیدہ ہوتا ہے۔ کیونکہ مقصود اللہ کی رضا ہے نہ کہ کسی قسم کی نمود ونمائش اور ریا۔ اس غرض سے مختلف اداروں کا قیام اور تحریکات اور خصوصی تقریبات کا انعقاد ایسے امور ہیں جن کو مخفی رکھنا ممکن نہیں ہوتا اس لئے ایسے امور عوام کی نظر میں آ جاتے ہیں۔ ورنہ حقیقت یہی ہے کہ حضرت مسیح موعود اور آپ کے خلفاء کرام کی تعلیمات اور تربیت کی نگرانی میں یہ جماعت آج دنیا بھر میں خدمت انسانیت میں صف اوّل میں ہے جہاں صرف صاحب حیثیت اور مخیّر افراد ہی نہیں بلکہ غریب لوگ بھی اپنا پیٹ کاٹ کر، خود تکلیف اٹھا کر بھی خدمت انسانیت کے لئے صرف مالی ہی نہیں بلکہ قولی اور عملی طور پر بے لوث خدمت انجام دیتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ خدمت خلق میں ان متضرعانہ دعاؤں کا بھی تو حصہ ہے جو خلیفۂ وقت اور خلافت سے وابستہ جماعت دنیا کے دکھوں کو دور کرنے کے لئے کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان دعاؤں کے نتیجہ میں بھی لاکھوں لوگوں کو بیماریوں سے شفا نصیب ہوتی، مشکلات سے نجات ملتی اور ان کے طرح طرح کے دکھوں کا مداوا ہوتا ہے۔

خاکسار کی طرف سے آپ کو اور آپ کے سب رفقاء کار کو اس نہایت مفید، معلوماتی اور دیدہ زیب ''خدمت خلق نمبر'' کی اشاعت پر دلی مبارکباد۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کے ساتھ ہو اور الفضل اسی طرح اپنی پوری آب وتاب اور درخشندہ روایات کے ساتھ شائع ہوتا رہے اور قارئین کو علم وعرفان سے متمتع فرماتا رہے۔

☆مکرم عبدالمومن طاہر صاحب انچارج عربک ڈیسک لندن لکھتے ہیں:۔

سالانہ نمبر ملا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو اور آپ کی کوششوں میں برکت ڈالے اور ہم سب کی طرف سے قبول فرمائے۔

☆مکرم عطاء المجیب راشد صاحب امام بیت الفضل لندن لکھتے ہیں:۔

آپ کی طرف سے الفضل کا 2011ء کا سالنامہ خدمت خلق کے موضوع پر ملا۔ ماشاء اللہ بہت عمدہ پیشکش ہے۔ خدمت خلق کے موضوع پر معلومات اور معین خدمات کے تذکرہ پر مشتمل ایک بہت ہی مفید نمبر ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور سب مساعدین کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

☆مکرم محمود مجیب اصغر صاحب لکھتے ہیں:۔

الفضل کے خاص نمبر سالانہ (دسمبر 2011ء)
حضرت مصلح موعود نمبر (فروری 2012ء)
حضرت مسیح موعود نمبر (مارچ 2012ء)

یکے بعد دیگرے دیکھنے نصیب ہوئے۔ مجموعی طور پر تبصرہ کرنا چاہتا ہوں کہ خدا کے فضل سے تینوں خصوصی نمبر بہت شاندار ہیں اور مضبوطی ایمان اور احمدیت کے روشن مستقبل دیکھنے کا بہترین ذریعہ ہیں۔

☆مکرم رانا مبارک احمد صاحب صدر حلقہ علامہ اقبال ٹاؤن لاہور الفضل اخبار کے سالانہ نمبر 2011ء کے بارے میں تحریر کرتے ہیں:۔

خوبصورت روزنامہ الفضل کا سالانہ نمبر 2011ء ملا جسے پا کر بے حد مسرت ہوئی۔ اس کا عنوان خدمت خلق رکھا گیا اسے اخبار نہیں بلکہ ایک خوبصورت روحانی تحفہ کہنا چاہئے۔ جس کو محترم ایڈیٹر صاحب اور ان کے سٹاف نے بڑی محنت کے ساتھ تیار کیا ہے۔ اس خاص نمبر میں خدمت خلق سے متعلق قرآنی آیات ہمدردی خلق سے متعلق احادیث نبویہؐ، ہمدردی مخلوق کے متعلق حضرت مسیح موعود کے ارشادات اور سب خلفاء سلسلہ کے اقتباسات اور جماعت کے بزرگوں کے مضامین بہت ہی اعلیٰ طریقہ سے پیش کئے گئے ہیں جو کہ بنی نوع انسان کی خدمات کے اعلیٰ نمونے ہیں وہ خدمات جو عالمی جماعت احمدیہ کے ذریعہ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی زیرِ ہدایات سرانجام دی جاتی ہیں پیش کی گئی ہیں۔ کچھ منظومات بھی دی گئی ہیں۔

ویسے تو الفضل اخبار روزانہ ہی خدمت خلق کا کام کرتا ہے جس طرح بیماروں کے لئے شفایابی کے اعلانات اور درخواست دعا شائع کرتا ہے۔ الفضل کے ذریعہ نہ جانے کتنے احباب جماعت ان دکھی انسانوں کے لئے شفایابی کی دعائیں کرتے ہیں اور اسی طرح لاکھوں دکھی بیماروں کو شفا ہوئی جس کا خاکسار گواہ ہے۔ اسی طرح سانحہ ارتحال کے اعلانات ودیگر بہت سے اعلانات یہ الفضل اخبار کے ذریعہ روزانہ کی خدمت خلق نہیں تو اور کیا ہے۔

اسی طرح الفضل اخبار کے ذریعہ قرآن کریم، حدیث نبویؐ، حضرت مسیح موعودؑ کے ارشادات حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ارشادات بسلسلہ خدمت خلق۔ غرض الفضل کے اس سالانہ نمبر میں کیا نہیں ہے۔

الفضل تو ایک تربیت کا روحانی خزانہ ہے۔ آجکل دنیوی مصروفیت میں وہ احمدی خوش قسمت ہے جو الفضل اخبار سے روحانیت حاصل کر لیتا ہے۔ دنیا کا یہ واحد اخبار ہے جس سے دین اور دنیا دونوں مل جاتی ہیں۔ اس سالانہ نمبر میں ہر خطہ ہائے ارض پر جماعت احمدیہ کی عالمی خدمت خلق کی مظہر کی تصویریں خوبصورت طریقہ سے شائع کی گئی ہیں اور پھر حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز ذاتی دورہ جات بسلسلہ خدمت خلق۔ جماعت ہائے احمدیہ کے اپنے ہسپتال۔ یہ سالانہ نمبر جس کو بہت محنت سے احباب کی خدمت میں پیش کیا گیا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ احباب جماعت الفضل خریدیں اور پڑھیں۔ یہ ایک روحانی غذا ہے۔

خاکسار کی اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزانہ دعا ہے کہ الفضل اخبار کو دن دگنی اور رات چوگنی ترقی سے نوازتا رہے اس کے سٹاف کو صحت وسلامتی کے ساتھ الفضل اخبار کو شائع کرنے کی توفیق دیتا رہے آمین۔ ہم سب احمدیوں کا فرض ہے کہ اسے خود خرید کر پڑھیں اور اس کی اشاعت کو بھی بڑھائیں۔

## مسیح موعود نمبر 2012ء

☆مکرمہ مبارکہ شاہین صاحبہ جرمنی سے لکھتی ہیں:۔

یوم مسیح موعود کا اتنا خوبصورت نمبر نکالنے کی بہت بہت مبارکباد۔ تمام مضامین ہی خوب ہیں مگر پیر سراج الحق، شمس العلماء اور قرآن سیکھنے اور سکھانے کے واقعات والے بہت پسند آئے۔ اللہ تعالیٰ ہماری پیاری اخبار کی ہمیشہ حفاظت فرمائے اور پہلے سے بڑھ کر نافع الناس ہو۔

☆مکرم سید ہدایت اللہ ہادی صاحب ایڈیٹر احمدیہ گزٹ کینیڈا لکھتے ہیں:۔

نہایت خوبصورت اور عالمانہ مضامین سے پُر الفضل کا خاص نمبر نکالنے پر الفضل کے تمام عملہ کو دلی مبارکباد دیتا ہوں۔

☆مکرم سید منیر احمد صاحب کراچی لکھتے ہیں:

یوم مسیح موعود پر اتنا قیمتی نمبر نکالنے پر دلی مبارکباد ہو۔ پان والا مضمون خاص طور پر مجھے بہت پسند آیا۔ خاص طور پر اس لئے کہ حالیہ سالوں میں قادیان جانے کا موقع ملا ہے میں نے اس مقدس شہر میں بازاروں میں رش دیکھا ہے۔

بقیہ صفحہ 13۔ مسعود احمد دہلوی

اللہ تعالیٰ کے فضل سے خوشحال ہیں۔ ان کے ایک بیٹے کو تو حضرت اقدس کے دورہ کینیڈا کے دوران اپنی نئی اور بڑی قیمتی گاڑی ہمہ وقت خدمت کے لئے پیش کرنے کی توفیق ملی اور وہ گاڑی ہمہ وقت حضرت صاحب کے استعمال میں رہی۔ ع

این سعادت بزورِ بازو نیست

ایک کمی ہمیں ضرور محسوس ہوئی کہ ہمارے دوست روشن دین تنویر کا ذکر ذرا زیادہ ہونا چاہئے تھا کہ ان سے آپ نے بہت کچھ سیکھا اور فیض پایا۔ ان کی شخصیت کو جتنا قریب سے آپ نے دیکھا ہے کسی اور نے نہیں دیکھا ہوگا۔

دلی والے کی خودنوشت ہو اور کوئی نئی بات قاری کو نہ ملے۔ ہم نے بھوک کے مارے آنتوں کے قل ھو اللہ پڑھنے کا محاورہ تو سنا ہوا تھا بھوک کے مارے ''پیٹ کے لخ کرنے'' (صفحہ 112) کا محاورہ پہلی بار مسعود بھائی کی خودنوشت میں پڑھا ہے۔

یہ خودنوشت اپنی زبان کے چٹخارہ کی وجہ سے ہی نہیں جماعت احمدیہ کی صحافت کی مستند تاریخ کے طور پر یاد رکھی جائے گی۔ اب تو لکھنے والا وہاں چلا گیا جہاں ہماری تعریف وتوصیف یا جزو توبیخ اس کے لئے بے معنی ہوگئی ہے۔ مگر یہ بات طے ہے کہ ان کی خودنوشت اردو ادب کی چند اچھی خودنوشتوں میں شمار کی جائے گی اور زبان کا ذوق رکھنے والے لوگ اس سے مستفیض ہوتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس واقف زندگی ادیب اور صحافی کی خدمات سلسلہ کو قبول فرمائے اور خدمت دین کا سلسلہ ان کی اولاد میں بھی جاری رکھے۔ آمین

بقیہ صفحہ 5۔ اشاعت کے 98 سال

(1468) احمدیت مخالف مواد پر مشتمل خبریں شائع ہوئیں اور ان میں بڑا حصہ ان سات اخبارات کا جو پاکستان کے مقبول ترین اردو روزنامے کہلاتے ہیں۔

اس افسوس ناک منظر کا یہاں پر اختتام نہیں ہوتا، بلکہ یہی اردو اخبارات جماعت احمدیہ کی طرف سے بھیجی جانے والی تردید کو قیمت وصول کر کے بھی شائع نہیں کرتے ہیں۔ مثلاً احمدیہ موقف کہ وہ کیا وجوہات تھیں جن کی بناء پر احمدیوں نے سال 2008 کے عام انتخابات کا بائیکاٹ کیا تھا، کوششوں کے باوجود اشاعت کے لئے جگہ نہ پا سکا۔

کتنے افسوس کی بات ہے کہ پاکستان کا میڈیا احمدیوں کی مساجد کو ''عبادت گاہ'' کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ جس کو احمدی قانونی وجوہات کی بناء پر ''مسجد'' نہیں کہہ سکتے ہیں۔ سال 2009ء میں یورپی ملک سوئٹزرلینڈ میں مساجد کے میناروں کے خلاف ایک ریفرنڈم کے بعد پاکستان کے میڈیا میں بہت زیادہ شور اٹھایا گیا تھا۔ مگر یہ بات اخبارات کے ایڈیٹرز کو کافی تلخ محسوس ہوگی کہ وہ اپنے اخبارات میں اسی فرقہ کی مسجد کے میناروں کے حق میں آواز بلند کرتے رہے جس کو وہ پاکستان میں گالی دینا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

میرے ربوہ سے نکلنے تک مجھے دی جانے والی اخبار ''روزنامہ الفضل'' اور کتب کو خاکی لفافے میں اچھی طرح محفوظ کر دیا گیا تھا تا کہ میں چیکنگ کے دوران بچ جاؤں۔ ورنہ جماعت احمدیہ کے نمائندوں کی طرح مجھے بھی ''گستاخی'' کے الزامات میں دھر لیا جائے گا۔ مگر مجھے تو صرف اگلے چند گھنٹوں کے لئے ان مطبوعات کو چھپانا تھا لیکن ''روزنامہ الفضل'' کا ادارتی عملہ اور قارئین تو روزانہ ہی اس امتحان سے گزرتے ہیں

یقیناً ان لوگوں کے لئے یہ ایک ایسی آزمائش ہے جو جلد ختم ہوتی نظر نہیں آرہی ہے۔

مکرم پروفیسر ڈاکٹر پرویز پروازی صاحب

# بھائی مسعود احمد خاں دہلوی

لیجئے بھائی مسعود احمد خاں دہلوی بھی گئے۔ ؎

کچھ ایسے بھی اٹھ جائیں گے اس بزم سے جن کو
تم ڈھونڈنے نکلو گے مگر پا نہ سکو گے

ان کی خودنوشت سفرحیات پچھلے برس چھپی ہے۔ میں نے تبصرہ لکھا جو لاہور میں چھپا۔ مسعود بھائی جرمنی آئے تو جرمنی سے ان کا فون آیا۔ بڑی دیر تک ہم لوگ ربوہ کے اس زمانہ کو یاد کرتے رہے جو اب خواب و خیال ہوگیا ہے۔ کالج، کالج کا ماحول، کالج کے اساتذہ، کالج کے طلباء، پھر ربوہ، ربوہ کے لوگ، ربوہ کی گلیاں، الفضل، الفضل کے ایڈیٹروں، الفضل کے مضمون نگاروں کی باتیں۔ کیا کیا ہمیں یاد نہ آیا۔ اتنی دیر تک ہم محو ہو کر باتیں کرتے رہے کہ مجھے خود احساس ہوا کہ مجھے بھائی مسعود احمد خاں دہلوی کو اتنی لمبی گفتگو کر کے تھکانا نہیں دینا چاہئے۔ آخر ماشاءاللہ نوے برس سے اونچے ہوگئے ہیں مگر ان کی آواز میں ذرا تھکان نہیں تھی۔ البتہ زور بیان میں وہ توانائی نہیں تھی جو ان کی شیوہ بیانی کا حصہ تھی۔ ان کے قہقہے میں بھی وہ بانکپن نہیں تھا جو ان کے ساتھ مختص تھا۔ ہمارا پہروں باتیں کرتے رہنا کوئی نئی بات نہیں تھی۔ ان کی بہو عزیزہ شمیم کو پتہ تھا کہ ہم دونوں باتیں کر رہے ہوں تو وقت تھم جاتا ہے۔ انہیں تو پتہ نہیں ہمارے ساتھ گفتگو میں کوئی لطف آتا تھا یا نہیں مگر ہم تو ان سے باتیں کر کے زبان سیکھتے تھے۔ ان کی زبان کا چٹخارہ ہمیں ان سے گفتگو کرنے پر آمادہ کرتا رہتا تھا۔ حیف کہ اب وہ دلی والا لہجہ، دلی والوں کی باتیں، دلی والوں کا رکھ رکھاؤ مسعود بھائی کے ساتھ اٹھ گیا۔ ع

اک دھوپ تھی کہ ساتھ گئی آفتاب کے!

جب واپس پاکستان گئے ہیں تو سوائے بڑھاپے کے اور کوئی عارضہ انہیں لاحق نہیں تھا اور بڑھاپا دلی والوں کے محاورہ میں "برا آپا" ہوتا ہے۔ کل بیٹی شمیم نے بتایا کہ گردے فیل ہوگئے تھے اس لئے ڈائیلیسز پر تھے اور یہ افتاد وہ جھیل نہ سکے۔ خیر موت کو تو کوئی بہانہ چاہئے۔ آنی تو ہر ایک کو ہے۔ شکر ہے کہ جرمنی سے عزیزان عرفان اور عثمان بھی پہنچ گئے۔ عمران تو ان کے پاس ہی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بیٹوں کو خدمت کا موقع دیا۔ اللہ تعالیٰ قبول بھی فرمائے۔ بیٹوں نے باپ کو مٹی دی اور اہل ربوہ کے ساتھ مل کر مٹی کی امانت مٹی کو سونپ دی۔ ؎

مٹھیوں میں خاک بھر کر دوست آئے بہر دفن
عمر بھر کی دوستداری کا صلہ دینے لگے

اب پیچھے مڑ کر دیکھتا ہوں تو یاد آتا ہے کہ مسعود بھائی سے روشناسی تو الفضل کے دفتر سے شروع ہوئی۔ ہم اکثر تنویر صاحب سے ملنے کو جاتے تھے۔ کیونکہ شعر کہنے کے ناطے ان سے واقفیت پہلے ہوئی الفضل کے دفتر میں مسعود بھائی اور شیخ خورشید احمد صاحب سے تعارف بعد کو ہوا۔ رفتہ رفتہ ہمارے تعلقات بڑھتے گئے۔ کالج کی مختلف تقریبات کی رپورٹنگ کے لئے مسعود بھائی کالج تشریف لاتے تھے اور اساتذہ کی دعوت پر آتے تھے یعنی یونین والے پروفیسر نصیر خاں صاحب یا ڈاکٹر شاہد صاحب کی دعوت پر۔ اس لئے ہم ان سے ملتے ہوئے جھجکتے تھے کیونکہ ہم تو محض طالب علم تھے۔ اساتذہ کے بلائے ہوئے لوگوں سے بے تکلف کیسے ہوتے؟ پھر مسعود بھائی نے ہمیں حوصلہ دینا شروع کیا کہ بزم اردو کی تقریبات کی رپورٹیں خود لکھ کر الفضل کو بھجوایا کریں کیونکہ آپ کو نوائے وقت کا نمائندہ ہونے کی وجہ سے خبریں لکھنا تو آتا ہے۔ الفضل کے مزاج کے مطابق اخباری رپورٹ لکھنے میں جھجک تھی۔ جب ہماری لکھی ہوئی رپورٹیں الفضل میں چھپنا شروع ہوئیں تو ہمارے حوصلے بڑھ گئے اور مسعود بھائی سے تعلقات بھی۔ تنویر صاحب تو پہلے ہی ہمارے دوست تھے۔ اب مسعود بھائی بھی ہمارے دوست بن گئے۔ الفضل کا دفتر ہمارے لئے اجنبی نہ رہا۔ تنویر صاحب ہمیں چائے پلایا کرتے تھے۔ مسعود بھائی کو بھی ساتھ میں بلا لیتے۔ ادب اور شعروں پر گفتگو بھی ہونے لگی۔ رفتہ رفتہ تعلقات میں بے تکلفی آتی چلی گئی۔ جب ہم کالج کے سٹاف پر آگئے تو آپ کی محبت میں احترام بھی شامل ہوگیا۔ جب ان کے بچے ہمارے شاگرد ہوگئے تو دوریاں بالکل ہی مٹ گئیں۔ مسعود بھائی نے ہمیں اخباری رپورٹیں لکھنا سکھائی تھیں۔ ہم نے ان کے بیٹے عزیز عرفان احمد خاں کو اس راہ پر لگا لیا اور اب وہ یورپ کے اہم اخباروں کے نمائندے ہیں اور خوب کام کر رہے ہیں۔ چراغ سے چراغ جلنے کا محاورہ ایسے ہی موقعوں کے لئے برتا جاتا ہے۔

مسعود بھائی کو کالج کی بزم اردو میں مضامین پڑھنے کی راہ پر ہمارے پرنسپل صاحب نے لگایا۔ ہوا یوں کہ حیدرآباد دکن کے مرحوم سیٹھ محمد اعظم نے بزم اردو کی ایک تقریب میں دکن کی تہذیبی قدروں کے موضوع پر مضمون پڑھا۔ سیٹھ صاحب اور مسعود بھائی نہ صرف ایک گلی محلے کے مکین تھے بلکہ دونوں کا دانت کاٹی روٹی کا تعلق تھا۔ دونوں تھے بھی صاحب ذوق، وضع دار اور ادب پرور، ادب دوست۔ مسعود بھائی سیٹھ صاحب کے ہمراہ پہلی بار کالج میں تانگے میں بیٹھ کر تشریف لائے کیونکہ سیٹھ صاحب دھول سے بہت ڈرتے تھے اور ان دنوں ربوہ میں دھول بہت تھی۔ مسعود بھائی پیدل چلتے تھے یا زیادہ سے زیادہ سائیکل پر سواری فرماتے، تانگے وانگے سے دور بھاگتے تھے۔ خیر بزم اردو کی یہ تقریب یادگار بن گئی۔ سیٹھ محمد اعظم حیدرآباد دکن کے ایک لٹے پٹے وضع دار سیٹھ تھے۔ پرانے مخلص احمدی خاندان کے فرد۔ دکن میں اپنے ماضی کو کرید نے بیٹھے تو یادوں کے طوفان میں گھر گئے اور وہ وہ باتیں ایسے ایسے انداز میں بیان فرمائیں کہ سننے والے سر دھنتے رہ گئے۔ کسی کو احساس نہ ہوا کہ مقررہ وقت سے کہیں زیادہ وقت گزر چکا ہے۔ یہ پہلی تقریب تھی جسے بزم اردو نے کالج سٹاف روم میں منعقد کیا تھا۔ تقریب شروع ہوئی تو کالج کے پرنسپل حضرت مرزا ناصر احمد تشریف نہیں رکھتے تھے مگر تقریب ختم ہوئی تو حاضرین کو معلوم ہوا کہ پرنسپل صاحب بھی تشریف رکھتے ہیں اور پیچھے سامعین میں چپکے بیٹھے ہیں۔ اس ایک بات سے ہی اس تقریب میں سامعین کی محویت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ صدارت نصیر خاں صاحب فرما رہے تھے۔ انہوں نے سر اٹھایا تو پرنسپل صاحب کو بیٹھے ہوئے پایا۔ تقریب کے اختتام کا اعلان ہوا تو پرنسپل صاحب نے فرمایا یہ سلسلہ تو بہت مفید اور خوب معلومات افزا سلسلہ ہے۔ اب اگلے جلسہ کے لئے دہلی کی تہذیب پر مضمون پڑھنے کے لئے مسعود احمد خاں دہلوی کو تکلیف دی جائے۔ مسعود بھائی نے بہت نہ نکر کی مگر پرنسپل صاحب سے تو ان کا عشق کا رشتہ تھا، کہاں بھاگ پاتے؟ بس پکڑے گئے اور اگلے اجلاس میں دہلی کے پرانے لوگ کے موضوع پر معرکۃ الآراء مضمون پڑھا۔ تب ان کے جوہر کھلے کہ صرف لکھنے کے دھنی نہیں پڑھنے اور تقریر کرنے میں بھی بے مثل ہیں۔ سیٹھ صاحب تو رہگزائے قضا ہوئے مگر مسعود بھائی کی رفاقت اب تک چلی اور ان کی تقریریں کالج کی بزم اردو سے نکل کر انصاراللہ اور پھر جماعت کے جلسوں تک پہنچیں۔ جرمنی میں ہائیڈل برگ یونیورسٹی کی ایک تقریب میں مضمون پڑھا تو ہمارے دوست اور اردو کے "اقبال پروفیسر"، پروفیسر فتح محمد ملک صدارت فرما رہے تھے کہنے لگے صاحب "آپ کی زبان اور آپ کے لہجہ کے استناد کا تقاضا تو یہ تھا کہ آپ یہاں اس مسند پر تشریف فرما ہوتے جہاں میں بیٹھا ہوں"۔

یعنی اپنے تو اپنے پرائے بھی مسعود بھائی کے تبحر علمی کو مانتے تھے۔ فیض صدی کے سلسلے میں جو تقریب فرینکفرٹ میں برپا ہوئی اور جس کا چرچا دنیا بھر میں ہوا مسعود بھائی بھی اس کی پہلی صف میں بیٹھے ہیں۔ اگرچہ قدم خم کی کیفیت بیٹھنے میں بھی نمایاں ہے۔ سردیوں میں ربوہ واپس چلے جایا کرتے تھے۔ اب کے ایسے گئے ہیں کہ وہیں ڈیرے لگالئے ہیں۔ ع

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

جی تو چاہتا ہے کہ ان کی شخصیت پر بہت کچھ لکھوں مگر پھر خیال آتا ہے ان کی خودنوشت پر سیر حاصل تبصرہ تو میں ابھی انہی دنوں لکھ چکا ہوں اور کم و بیش ان کی شخصیت کے تمام پہلو اس میں سمٹ آئے ہیں۔ کیوں نہ اسی کی تلخیص اس مضمون کے ساتھ شامل کردوں۔ وھو ہذا۔

جماعت احمدیہ کے نامور صحافی اور صاحب اسلوب ادیب جناب مسعود احمد خاں دہلوی کی خودنوشت "سفرحیات" اردو جرمن کلچرل سوسائٹی پی او بکس 103824 فرینکفرٹ جرمنی 20108 سے 2011ء میں شائع ہوئی ہے۔ پانچ سو صفحے کی یہ خودنوشت رواں دواں اور شگفتہ زبان میں لکھی گئی ہے۔ جس میں قدم قدم پر دلی کے شرفاء کی زبان پر چڑھے ہوئے محاوروں کا چٹخارا پڑھنے والے کو چونکائے بغیر نہیں رہتا کہ اس اکیسویں صدی میں بھی دلی کا روزمرہ برتنے والے ادیب موجود ہیں؟ مصنف کے والد گرامی جناب محمد حسن آسان دہلوی کو تو دلی والے ان کے چٹخارے دار انداز بیان کی وجہ سے "بلبل ہزار داستان محمد حسن آسان" کہا کرتے تھے اور اس کا ذکر مصنف نے اپنے دادا اور والد کے حالات زندگی والی کتاب "نئی زندگی" میں کیا ہے۔ ہم نے قبلہ محمد حسن آسان کو نہایت ضعیفی کے عالم میں ایک بار دیکھا تھا مگر ان کی زبان فیض ترجمان سے کچھ سننے کا موقع نہیں ملا تھا۔ البتہ اس خودنوشت کے مصنف کو جاگتی آنکھوں دیکھا اور کھلے کانوں سنا ہے اس لئے ان کی خودنوشت پڑھتے ہوئے ان کی باتیں یاد آتی جارہی ہیں اور جو کچھ انہوں نے لکھا ہے اس کی سچائی بھی آشکارا ہوتی چلی جارہی ہے۔

جناب مسعود احمد خاں دہلوی کی شخصیت کا خمیر دلی کی مردم خیز مٹی سے اٹھا ہے۔ پھر آپ نے اس ماں کی گود میں پرورش پائی جو خود ادیب نہ تھیں مگر ان کی تعلیم و تربیت میں ادیبانہ رکھ رکھاؤ تھا۔ باپ دلی کے ادبی اور علمی حلقوں کے جانے پہچانے آدمی تھے، اساتذہ صاحب ذوق اور عالم اور علم کے قدردان تھے۔ دادا سلسلہ احمدیہ میں بیعت ہوئے۔ باپ نے اپنی سب نرینہ اولاد کو پال پوس کر گریجوایٹ بنا کر سلسلہ کے سپرد کردیا۔ سپردم بہ تو مایۂ خویش را۔ جماعت احمدیہ کی لغت میں اس عمل کو زندگی وقف کرنا کہتے ہیں۔ مسعود احمد خاں دہلوی نے 1940ء میں دلی یونیورسٹی سے گریجوایشن کی اور 1946ء میں انگریز کی اچھی بھلی ترقی کے امکانات رکھنے والی ملازمت کو تج کر باپ کی بات پر حرف نہیں آنے دیا اور جماعت کے مرکز قادیان آگئے اور ساری عمر جماعت کی

خدمت میں گزاری۔ ہم نے ان کے ساتھ بیٹھ کر ان کی باتیں غور سے سن سن کر زبان سیکھی ہے۔ یہ خودنوشت ہمارے ایسے اکیانوے سالہ خوش کلام اور خوش لباس دوست کی سرگذشت ہے جس کے بارہ میں دلی والوں ہی کا محاورہ ہے کہ بات کرتے میں منہ سے پھول جھڑتے ہیں اور لکھتے میں قلم سے موتی ٹپکتے ہیں۔ اس لئے ایک بزرگ دوست کی خودنوشت پر لکھتے ہوئے قلم ڈرتا ہے کہ کہیں کوئی ایسی بات نوکِ قلم پر نہ آجائے جو زبانِ دوستی میں روا اور زبانِ تنقید میں ناروا ہو۔ ہم نے زبانِ دوستی کا اس لئے ذکر کیا ہے کہ ہماری عمروں میں بڑا تفاوت ہے مگر ہماری دوستی میں ہم عمروں کی سی بے تکلفی ہے۔ پھر ان کے سارے بیٹے عزیزم سلمان احمد خاں مرحوم سے لے کر عزیزان عرفان، عمران اور عثمان تک سب ہی ہمارے شاگرد ہیں اور جانتے ہیں کہ بات کہنے میں ہم لگی لپٹی روا رکھنے کے روادار نہیں اس لئے اپنے شاگردوں کو بھی ہم ناراض نہیں کرسکتے مگر یہ بات ہم ڈنکے کی چوٹ کہے دیتے ہیں کہ اس خودنوشت پر تنقید لکھتے ہوئے بھی ہم کسی دوستی کا لحاظ نہیں کریں گے۔

''سفرحیات'' ایک احمدی صحافی کی سرگذشت ہے اس لئے لامحالہ اس کی زبان جماعت احمدیہ کے علم کلام کی زبان ہے جو جماعت سے تعلق نہ رکھنے والوں کو شاید پوری طرح سمجھ میں نہ آئے کیونکہ اس میں جماعت کی تنظیموں، جماعت کے اداروں، جماعت کے اخباروں اور ان سب پر مستزاد جماعت کے خلفاء کے احکامات وارشادات کا تذکرہ ہے۔ مگر اس خودنوشت کی زبان ایک دلی والے کی زبان ہے جس میں دلی والوں کی چاشنی اور مٹھاس تو موجود ہے مبالغہ موجود نہیں کیونکہ انہیں جماعت احمدیہ کی صحافت سے وابستہ کرتے ہوئے جماعت احمدیہ کے امام نے انہیں متنبہ کیا تھا کہ ''زبان کے معاملے میں ہمارا خوبصورتی اور چاشنی کا معیار مختلف ہے...... زبان کے معاملے میں ہم وادی والے قدرتی حسن کے قائل ہیں مالی کے لگائے ہوئے مصنوعی حسن کو ہم چنداں اہمیت نہیں دیتے''۔

(سفرحیات صفحہ 101)

کچھ عرصہ تک جماعت کے اخبار الفضل میں کام کرنے کے بعد کچھ دیر کے لئے جماعت کے بیرونی ممالک میں دینی نظام کا انصرام کرنے والے محکمہ کے قائم مقام افسر محکمہ بنائے گئے تو ایک رپورٹ لکھنے پر امام جماعت کی طرف سے تنبیہ ہوئی کہ ''الفضل میں آپ کے جو مضامین شائع ہوئے ہیں وہ مجھے پسند نہیں آئے۔ ان میں دلائل کم اور لفاظی زیادہ تھی۔'' (صفحہ 132) گویا دلی کی مٹی نے ابھی اپنا اثر زائل نہیں ہونے دیا تھا۔ امام وقت کی تنبیہ سے بہت دل گرفتہ ہوئے مگر جماعت کے ایک اور ادیب قبلہ میر محمد اسماعیل صاحب نے تسلی دی کہ یہ سرزنش تو رہنمائی کا درجہ رکھتی ہے اور مسعود احمد خاں دہلوی نے دلی والوں کی لفاظی کو خیر باد کہہ دینے کی کوشش شروع کردی اور تقریباً نصف صدی تک جماعت کے اخبارات ورسائل کامیابی سے ایڈٹ کئے اور اپنی رپورٹنگ اداریہ نویسی اور تصنیفی صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔

بھائی مسعود احمد خاں دہلوی سے ہماری بے تکلفی ہوگئی تو وہ ہمارے بے تکلف لباس اور سر کے بکھرے بالوں اور بے پالش کے جوتوں پر بہت جزبز ہوتے تھے مگر ہم اپنی لاپرواہانہ وضع پر قائم رہے۔ بزرگ ہونے کے باوجود وہ ہمارے لباس پر ایک آدھ آوازہ ضرور کس دیا کرتے تھے۔ فرماتے تھے نصیر خاں جیسے خوش لباس شخص کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہو تو ان جیسی جامہ زیبی بھی اختیار کرو۔ یہ بیان کردینے میں کوئی حرج نہیں کہ جماعت اپنے واقفین زندگی کو ان کے فرائض کی انجام دہی کے لئے مناسب الاؤنس بھی دیا کرتی تھی ورنہ ایک کم وسائل والا شخص جس کے فرائض میں بڑے بڑے افسروں، سیاست دانوں سے ملنا شامل ہو مناسب حال اچھا لباس کہاں سے لائے؟ اور ہمارے بے پالش کے جوتوں اور سر کے بکھرے بالوں کی دوستانہ شکایت تو مسعود بھائی کو اب تک تھی۔ اب سر کے بال اتنے جوگے نہیں رہے کہ بکھر سکیں لیکن یہی کیا کم ہے کہ ہیں تو سہی!

پھر ان کی خودنوشت کی طرف لوٹتے ہیں۔ رپورٹنگ کے سلسلہ میں سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کی ایک تقریر کا ذکر آپ نے فرمایا ہے کہ شاہ جی نے بڑی تحدی سے الزام لگایا کہ ربوہ میں اسلحہ کے انبار موجود ہیں۔ حکومت تحقیق کرلے اگر بخاری جھوٹا نکلے تو اسے سرعام پھانسی دے دی جائے۔'' (صفحہ 195) اگلے روز ہی اسمبلی میں کسی رکن نے سوال کردیا جس کا جواب قائد ایوان میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ نے یوں دیا ''جہاں تک حکومت کی معلومات کا تعلق ہے ربوہ میں نہ تو کسی قسم کا غیر لائسنس یافتہ اسلحہ اور گولہ بارود موجود ہے اور نہ وہاں آتشیں اسلحہ بنایا یا تیار کیا جارہا ہے۔'' (صفحہ 198) یہ ممتاز دولتانہ وہی تھے جو جماعت کے خلاف 1953ء کی تحریک کے بانی مبانی تھے۔ ان کی زبان فیض ترجمان سے تردید کے باوجود قبلہ شاہ جی ہنستے بستے رہے اور اپنی غلط بیانی پر انہیں کوئی شرمندگی نہ ہوئی۔

ایک صحافی کی خودنوشت میں صحافیوں کا ذکر تو ہونا ہی چاہئے۔ م۔ش کا ذکر ہے۔ مولانا عبدالمجید سالک کا ذکر خیر ہے۔ چراغ حسن حسرت کا ذکر ہے مگر ہمیں اس بیان میں ایک کمی نظر آتی ہے۔ حسرت صاحب سے ان کی ملاقات ایک دوست کی وساطت سے کراچی کے فردوس ہوٹل میں ہوئی جہاں حسرت صاحب مجلس آراء ہوا کرتے تھے۔ حسرت صاحب ہر مخاطب کو مولانا کہہ کر پکارتے تھے۔ جو مکالمہ مسعود صاحب نے درج کیا ہے اس میں کسی کو مولانا کہہ کر پکارنے کا ذکر نہیں۔ (صفحہ 241) حسرت کسی سے مخاطب ہوں اور اسے مولانا نہ کہیں؟ ایں خیال است محال است وجنوں۔ ہمیں مکالمہ کی صداقت میں کلام نہیں، حسرت صاحب کے مولانا نہ کہنے پر تعجب ہے۔ جہاں تک جماعت احمدیہ کے اس کہنہ مشق صحافی کی رپورٹنگ کا تعلق ہے اس کی ایک گواہی ہمارے پاس بھی ہے۔ ہمارے ڈویژن کے کمشنر قاسم رضوی کئی بار ربوہ تشریف لائے اور کالج کی بزم اردو میں تقریریں فرمائیں۔ باسکٹ بال کے میچ ملاحظہ فرمائے۔ پہلی بار بزم اردو کے افتتاح کے لئے تشریف لائے۔ وہ بڑے شگفتہ وشیوہ بیان مقرر تھے اور کبھی اپنے انفارمیشن افسروں کی لکھی ہوئی تقریر نہیں پڑھتے تھے۔ بزم اردو کے افتتاح کی رپورٹ روزنامہ الفضل میں شائع ہوئی تو میں نے اس کی ایک نقل کمشنر کے ملاحظہ کے لئے بھیجی۔ کچھ عرصہ کے بعد کسی اور اجلاس کے لئے دعوت دینے کو میں انہیں ملا تو فرمانے لگے میری تقریر کی رپورٹ کس نے مرتب کی تھی؟ میں نے مسعود صاحب کا نام لیا۔ کہنے لگے جب میں ربوہ آؤں تو مجھے اس رپورٹر سے ضرور ملوانا میں نے آج تک اپنی تقریر کی اتنی جامع ومانع اور زبان وبیان کے اعتبار سے بھرپور رپورٹ کبھی نہیں دیکھی۔ رضوی صاحب ربوہ تشریف لائے تو میں نے کالج کے سٹاف سے تعارف کے بعد انہیں مسعود احمد خاں دہلوی سے ملوایا کہ یہ صاحب ہیں جن سے ملنے کے آپ آرزومند تھے۔ رضوی صاحب نے نہایت گرمجوشی سے مسعود صاحب سے مصافحہ کیا اور کامیاب رپورٹنگ پر انہیں خراجِ تحسین پیش کیا۔ مسعود صاحب نے خود تو اس بات کا ذکر اپنی خودنوشت میں نہیں کیا کہ خودستائی میں شمار ہوتا مگر ہم یہ گواہی درج کر رہے ہیں کہ تاریخ میں تو محفوظ ہوجائے۔

احوال الرجال میں قریشی منظور احمد صاحب کا ذکر خیر ہے۔ (صفحہ 191۔ مکرر صفحہ 239) قریشی صاحب بڑے کہنہ مشق اور ماہر ٹائپسٹ تھے۔ نسبت روڈ کے کونے پر ایک چھوٹے سے لکڑی کے کیبن میں اپنی ٹائپ کی مشین لے کر بیٹھتے تھے اور اسی ٹائپ کی حلال روزی سے آپ نے اپنے بیٹے کو ڈاکٹر بنایا۔ پھر اسے انگلستان سے ایم آر سی پی کروایا۔ ہارٹ سپیشلسٹ بنایا اور پھر وہ بیٹا ایسے وقت میں ربوہ میں خدمت کے لئے آبیٹھا جب دوسرے ایم بی بی ایس ڈاکٹر بھی وہاں آنے سے کتراتے تھے۔ یہ ہارٹ سپیشلسٹ ڈاکٹر لطیف احمد قریشی ہیں۔ منظور احمد قریشی صاحب کے انتقال پر ہم نے اپنے تعزیتی مضمون میں لکھا تھا کہ قریشی منظور احمد صاحب نے 1953ء کے انکوائری کمیشن کی کارروائی ٹائپ کرنے میں دن رات ایک کرکے جماعت کی خدمت کی مگر ہمارے ایک دوست نے ہماری بات پر اعتبار نہیں کیا کہ تم کہاں اس وقت لاہور میں موجود تھے کہ ایسی باتیں وثوق سے لکھ رہے ہو۔ حالانکہ ہم جماعت کے دفتروں میں کام کررہے تھے اور اکثر بعض کاموں کے سلسلہ میں ہمیں 13 ٹمپل روڈ یعنی شیخ بشیر احمد صاحب کی کوٹھی میں جانا پڑتا تھا۔ اب ہماری بات کی تصدیق مسعود صاحب کی خودنوشت سے بھی ہوگئی ہے مگر افسوس کہ ہمارے وہ دوست جنہیں ہماری بات میں کلام تھا اس دنیا میں موجود نہیں۔ اخلاص سے کی ہوئی خدمت صدقۂ جاریہ کے حکم میں ہوتی ہے جس کا فیض جاری رہتا ہے۔

پھر ڈنمارک کے احمدی نوح ہانسن صاحب کا ذکر ہے۔ (صفحہ 386) ہانسن صاحب اپنی کمپنی کی طرف سے ناگویا جاپان تشریف لائے تو امام عطاء المجیب راشد صاحب نے ہمیں حکم دیا کہ ہانسن صاحب اوساکا کی سیر کے لئے آنا چاہتے ہیں۔ ان کا خیال رکھا جائے۔ ہانسن صاحب تشریف لائے ہمارے ہاں قیام فرمایا۔ ہم نے اپنی یونیورسٹی کے اپنے رفقاء کے علاوہ ڈینش زبان کے شعبہ کے اساتذہ اور وائس چانسلر کو بھی کھانے پر بلا کر ہانسن صاحب سے تعارف کروایا۔ وہ لوگ بہت حیران ہوئے کہ آپ جنوبی ایشیا کے رہنے والے ہیں۔ ہانسن صاحب پکے ڈینش ہیں۔ دونوں میں کیا قدرِ مشترک ہے؟ ہم دونوں نے کہا احمدیت۔ وائس چانسلر صاحب کو جب میرے رفقاء کار نے ترجمہ کرکے یہ بات بتائی تو وہ بہت حیران ہوئے کہ عقائد کا اشتراک ایسی گہری اخوت بھی پیدا کرسکتا ہے۔ احمدیت کی اخوت کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے۔

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی اطاعت امام کے ہم عینی گواہ ہیں۔ اس سلسلہ میں مسعود بھائی کی بات کی تصدیق کرسکتے ہیں کہ حضرت صاحب نے میاں صاحب کو طلب فرمایا تو بلاتوقف حاضر ہوگئے۔ حالانکہ خضاب کررہے تھے اور ہاتھوں پر خضاب کے دھبے موجود تھے۔ (صفحہ 262) مولانا ابوالکلام آزاد نے حضرت مولانا نورالدین کے بارہ میں لکھا ہے کہ جب مولانا 1905ء میں قادیان گئے تو ''مرزا صاحب نے بلایا تو مولوی نورالدین خضاب کی وجہ سے ڈھاٹا باندھے آئے''

(خودنوشت مولانا ابوالکلام آزاد صفحہ 238)

امام کا ارشاد سنتے ہی اس پر لبیک کہنا ان بزرگوں کا اسوہ تھا۔

منشی سبحان علی کاتب الفضل کے اخلاص کا ذکر ہے کہ انہوں نے اور ان کے بیٹوں نے رات بھر محنت کرکے ایک ضرورت مند کا مقالہ صاف کرکے لکھ دیا اور اجرت تک نہ لی۔ (صفحہ 257) ان کے سارے ہی بیٹے ہمارے شاگرد ہوئے اور

باقی صفحہ 11 پر

مکرم مرزا محمد اقبال صاحب

## 1990ء تا 1998ء

# دفتر الفضل کی چند بھولی بسری یادیں

مکرم مرزا محمد اقبال صاحب نے 1990ء تا 1998ء دفتر الفضل میں کام کرنے کی توفیق پائی ان کی چند یادیں ان کے قلم سے پیش ہیں۔

1990ء کی پہلی سہ ماہی ختم ہونے کو تھی جبکہ خاکسار اصلاح وارشاد مرکزیہ کی ہدایت کے مطابق ناصر آباد بلاک ربوہ میں اپنے فرائض سرانجام دے رہا تھا کہ ایک روز مجھے مکرم سید احمد علی شاہ صاحب مرحوم نائب ناظر اصلاح وارشاد کی طرف سے دفتر الفضل میں رپورٹ کرنے کی چٹھی موصول ہوئی۔ ان دنوں محترم نور محمد نسیم سیفی صاحب ایڈیٹر تھے۔ رمضان المبارک شروع ہونے والا تھا۔ غالباً ماہ اپریل تھا معلوم ہوا کہ خاکسار کو مکرم حافظ محمد صدیق صاحب مربی سلسلہ کی جگہ بھیجا گیا ہے جو ان دنوں کسی دفتری کام کیلئے دورہ پر کراچی گئے ہوئے تھے۔ ان کا یہ دورہ ایک ماہ کا تھا۔ ظاہر ہے کہ ان کے آنے کے بعد مجھے واپس اصلاح وارشاد مرکزیہ میں آنا تھا۔ مختصر یہ کہ اس دفتر میں میری تعیناتی صرف ایک ماہ کیلئے بطور ٹرائل تھی۔ مجھے مکرم سیفی صاحب نے پروف ریڈنگ کا کام دیا۔ اس کام کا مجھے پہلے کوئی تجربہ نہیں تھا تاہم میرا کام آپ کو پسند آیا لہٰذا تھوڑے عرصہ بعد ہی مجھے اپنے دفتر میں بلا لیا۔ اس ایک ماہ کے دوران میں نے مکرم سیفی صاحب کو بہت اچھا افسر پایا یعنی ہمدرد، ملنسار اور ماتحتوں سے اچھا سلوک روا رکھنے والا افسر۔ ان دنوں مکرم آغا سیف اللہ صاحب مینیجر الفضل ہوا کرتے تھے۔ میں انہیں ناصر ہوسٹل جامعہ احمدیہ میں اکٹھے رہنے کی وجہ سے کافی حد تک جانتا تھا۔ ایڈیٹوریل سٹاف کی میٹنگ مکرم سیفی صاحب کے ساتھ عموماً روزانہ ہوا کرتی تھی جس میں اکثر آغا صاحب بھی شامل ہوا کرتے تھے حالانکہ وہ انتظامی امور کے انچارج تھے چونکہ ان کے تعلقات مکرم سیفی صاحب کے ساتھ بڑے دوستانہ اور برادرانہ تھے لہٰذا اصلاح ومشورہ کیلئے میٹنگ میں شرکت کرتے تھے۔ مکرم یوسف سہیل شوق صاحب مرحوم نائب ایڈیٹر تھے علاوہ ازیں ایڈیٹوریل سٹاف میں مکرم عبدالمغنی زاہد صاحب مکرم عبدالستار خاں صاحب مربی سلسلہ، مکرم سید ظہور احمد شاہ صاحب مرحوم اور مکرم غلام مصطفیٰ صاحب کاپی پیسٹر شامل تھے۔ پروف ریڈنگ میں میرے ساتھ مکرم میاں عبدالمجید صاحب مرحوم جو مکرم میاں عبدالحی صاحب مرحوم سابق مربی انڈونیشیا کے چھوٹے بھائی تھے۔ میں یہاں یہ عرض کرتا چلوں کہ میرے اور ان کے مزاج اور طبیعت میں مطابقت نہ ہونے کی وجہ سے آئے روز آپس میں ہلکی پھلکی بات چیت ہوتی رہتی تھی۔ وہ مجھ سے عمر میں کافی بڑے تھے لہٰذا ان کا ادب واحترام میرے دل میں بہت تھا۔ اس کے باوجود نہ جانے کیوں دونوں کے درمیان ذرا سی تلخ کلامی ہو جاتی تھی۔ ہمارے کیبن کے ساتھ ہی داخلی دروازہ کے دائیں طرف برادرم غلام مصطفیٰ صاحب کاپی پیسٹر کی میز اور کرسی پڑی ہوئی تھی ۔ درمیان میں ہارڈ بورڈ کے ذریعہ سات فٹ اونچی پارٹیشن کی ہوئی تھی وہ ہم دونوں کی گفتگو سن کر خوب محظوظ ہوا کرتے تھے اور گاہے بگاہے دخل دے کر مزاح کا رنگ دے دیا کرتے تھے۔ نتیجتاً ہم دونوں تازہ ہو کر اپنا کام بخوشی ختم کر لیا کرتے تھے۔ بتایا گیا ہے کہ وہ امریکہ اپنی بیٹی کے پاس گئے تھے جہاں ایک حادثہ میں وفات پا گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ آمین

ان دنوں الفضل کے تمام مضامین اور دیگر مسودات کی کتابت کئی کاتب حضرات کیا کرتے تھے جن میں سے مکرم منور احمد صاحب بنگالی، مکرم محمد اعظم صاحب لنگاہ، مکرم مظفر احمد صاحب بنگالی مکرم سید تجمل حسین بخاری صاحب اور مکرم ماسٹر منظور احمد صاحب قابل ذکر ہیں۔ یہ سب حضرات داخلی برآمدہ میں صفوں پر بیٹھ کر کتابت کیا کرتے تھے۔ ہمارا کام پروف ریڈنگ کے بعد ان سے غلطیاں ٹھیک کرانا بھی ہوتا تھا۔ اس دوران ان سے کافی دلچسپ مزاحیہ گفتگو بھی ہو جاتی تھی۔ 1993ء میں کمپیوٹر آیا جس کے انچارج مکرم عبدالباسط صاحب تھے ان کے ساتھ مکرم نصیر احمد صاحب چوہدری اور مکرم شفیق احمد صاحب کمپوزنگ کا کام کرتے تھے۔

دفتر کا ماحول مجموعی لحاظ سے بڑا ہی خوشگوار اور اچھا ہوا کرتا تھا۔ مکرم یوسف سہیل شوق صاحب اور مکرم آغا صاحب کی آپس میں باآواز بلند طنز ومزاح اور شستہ مذاق والی ہلکی پھلکی نوک جھونک روزانہ ہی اس ماحول کو مزید خوشگوار بنا دیا کرتی تھی۔ اس گفتگو کو سن کر عموماً تمام کارکن لطف اندوز ہوا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ مکرم سیفی صاحب بھی اس پُر لطف گفتگو کو سنتے اور کبھی کبھی میٹنگ میں ان دونوں سے دریافت کرتے کہ آج تم دونوں میں کس بات پر اتنی دلچسپ گفتگو ہوئی ہے یہ دونوں آپس میں بڑے بے تکلف دوست تھے اور ہم نوالہ ہم پیالہ کے مصداق بھائی بنے ہوئے تھے۔ سو آپ کے پوچھنے پر وہ میٹنگ جو پہلے سونی سونی ہوتی تھی وہ ہنسی اور مسکراہٹوں کے ساتھ کشت زعفران بن جایا کرتی تھی۔

ایک بات جس کا میں ذکر کرنا ضروری خیال کرتا ہوں اور جس نے مجھے بہت فائدہ پہنچایا وہ ہے خاکسار کی مضمون نگاری کی کوشش اس ضمن میں مکرم سیفی صاحب اور مکرم یوسف سہیل شوق صاحب کی راہنمائی اور امدادی کتب مہیا کرنے کا بڑا دخل ہے لہٰذا ان دونوں کی راہنمائی اور ذاتی دلچسپی نے مجھے اسی قابل بنا دیا کہ کچھ تحریر کر سکوں۔ چنانچہ عرصہ ساڑھے آٹھ سال میں اندازاً 60 کے قریب مضامین علمی، اخلاقی، معلوماتی، روحانی تربیتی دینی اور سیاسی موضوعات پر شائع ہوئے۔ ان مضامین کی اشاعت پر مکرم سیفی صاحب نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ ’’میرا دل چاہتا ہے اگر ان مضامین کو کتابی شکل دی جائے تو دیباچہ میں لکھوں گا۔‘‘

یہاں ایک واقعہ لکھنا چاہتا ہوں جس سے مکرم سیفی صاحب کی نرم مزاجی، اخوت ومحبت اور درگزر کرنے کی جھلک نمایاں ہوتی ہے نیز یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ اپنے ماتحت کی کسی غلطی پر سزا دینے کے قائل نہ تھے بلکہ معاف فرمانا مناسب خیال کرتے تھے۔ وہ واقعہ کچھ یوں ہے کہ 21 نومبر 1996ء کو جس روز جماعت احمدیہ کے ایک نامور احمدی اور دنیا کے عظیم سائنسدان مکرم ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کا جسد خاکی بذریعہ طیارہ لاہور ائیر پورٹ پر پہنچنا تھا اور پھر اسے ربوہ میں سپردِ خاک کیا جانا تھا، خاکسار کی طبیعت ناساز ہو گئی تو دفتر اطلاع دیئے بغیر دوائی لینے ہسپتال چلا گیا جہاں ڈاکٹر صاحب کو چیک کرانے اور دوائی حاصل کرنے میں دفتر سے لیٹ ہو گیا۔ جب دفتر پہنچا اور اپنے کیبن میں داخل ہونے لگا تو مکرم غلام مصطفیٰ صاحب نے پیغام دیا کہ مکرم سیفی صاحب نے یاد فرمایا ہے یہ سن کر دل سے دعا نکلی کہ الٰہی خیر ہو۔ کہیں آج مولانا صاحب کے زیر عتاب نہ آ جاؤں۔ خیر دل میں دعا کرتے ہوئے مکرم سیفی صاحب کے کمرہ میں داخل ہوا تو دیکھا کہ آپ اپنی کرسی پر تشریف فرما ہیں اور ان کے دائیں جانب مکرم آغا سیف اللہ صاحب کرسی پر بیٹھے ہیں۔ میں نے جاتے ہی سلام عرض کیا اور طلب فرمانے کا پوچھا۔ میری عرض سن کر مکرم سیفی صاحب نے مکرم آغا صاحب کو اشارہ فرمایا کہ ان سے دیر سے آنے کی وجہ پوچھیں۔ تعمیل ارشاد میں مکرم آغا صاحب نے مجھ سے وجہ پوچھی تو جواباً عرض کیا کہ آج میری طبیعت ناساز تھی لہٰذا اطلاع دیئے بغیر دوائی لینے ہسپتال چلا گیا۔ خیال تھا کہ دوائی لے کر وقت پر پہنچ جاؤں گا مگر دیر ہو گئی جس کیلئے معذرت خواہ ہوں۔ مجھے یاد ہے کہ یہی جواب میں نے دو مرتبہ مکرم سیفی صاحب کی خدمت میں عرض کیا مگر تسلی نہ ہونے پر باادب عرض کیا کہ آپ دونوں میں سے میرا افسر کون ہے؟ مجھے پتہ تھا کہ میرا یہ پوچھنا گستاخی کے زمرہ میں آ سکتا ہے۔ یہاں معاملہ ہی کچھ اور تھا کیونکہ مکرم سیفی صاحب نے ذمہ داری مکرم آغا صاحب پر ڈال دی تھی۔ وہ پوچھ بھی رہے تھے اور مسکرا بھی رہے تھے۔ خدا کا کرنا یہ ہوا کہ میرے اس سوال کو سنتے ہی مکرم سیفی صاحب نے فرمایا جائیں اور اپنا کام کریں۔ آپ نے مجھے کوئی ڈانٹ ڈپٹ یا کوئی تنبیہ نہیں کی بلکہ بڑے اچھے انداز میں اپنے دفتر سے اپنے کیبن میں آنے کی اجازت مرحمت فرما دی۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے۔ آمین

اب کچھ تکلیف دہ اور دلآزاری پر مبنی ایسے واقعات کا ذکر ہو جائے جنہیں مجھے دیکھنا پڑا۔ مثلاً امتناع قادیانیت آرڈیننس جو 1984ء میں صدر مملکت ضیاء الحق نے محض ذاتی مذہبی تعصب ونفرت اور مخالف علماء کے کہنے پر جماعت احمدیہ کے خلاف جاری کیا تھا۔ اس کا عملی نفاذ میں نے دیکھا کہ مکرم قاضی منیر احمد صاحب جو الفضل کے پرنٹر تھے۔ مکرم آغا سیف اللہ صاحب جو پبلشر اور مینیجر تھے۔ مکرم نسیم سیفی صاحب ایڈیٹر الفضل۔ ان تینوں بزرگوں پر آئے روز پولیس کی طرف سے مختلف مقدمات بنتے رہتے تھے۔ نتیجتاً یہ تینوں نہایت پریشان رہتے تھے اور گرفتاری سے بچنے کیلئے نامعلوم مقامات پر روپوش ہو جاتے تھے مگر سادہ کپڑوں میں ملبوس پولیس دفتر الفضل اور گھروں پر چھاپے مارتی رہتی تھی اور گرفتار کرنے میں کامیاب ہو جاتی تھی وہ نہ عمر دیکھتی تھی اور نہ رمضان المبارک کے تقدس کا کوئی خیال رکھتی تھی۔ غرض حالات یہ تھے کہ ان تینوں بزرگوں کو گرفتار کیا انہیں کبھی تھانہ ربوہ کی چار دیواری میں مقید رکھا جاتا اور کبھی چنیوٹ کی حوالات میں نظر بند رکھا جاتا۔ میں نے ان تینوں کو چنیوٹ کی حوالات میں رمضان المبارک میں سلاخوں کے پیچھے نظر بند دیکھا۔ قصور صرف یہ تھا کہ بقول اکبر الٰہ آبادی کہ

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

صعوبتیں اور تکالیف برداشت کرنے کے 4 سال بعد مکرم سیفی صاحب تو 19 مارچ 1999ء کو وفات پا گئے۔ اور دوسرے دونوں بزرگ خدا تعالیٰ کے فضل سے ملک سے باہر جانے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ دونوں بزرگ وہاں خدمت سلسلہ بجا لا رہے ہیں۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ الٰہی جماعتوں کے افراد کو سنت یوسفی کو تازہ کرنا پڑتا ہے وہ تکالیف محض للہ اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لئے برداشت کرتے ہیں اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے ایمان پر قائم رہتے ہیں۔ اسی بات کی نصیحت پیارے آقا حضرت

باقی صفحہ 5 پر

# اطلاعات و اعلانات

**نوٹ: اعلانات صدر/امیر صاحب حلقہ کی تصدیق کے ساتھ آنا ضروری ہیں۔**

## ولادت

❁ مکرم عبدالعزیز خان صاحب سیکرٹری تعلیم القرآن حلقہ فیکٹری ایریا شاہدرہ لاہور تحریر کرتے ہیں۔

مورخہ 9 جنوری 2012ء کو میری بیٹی مکرمہ ھبۃ القیوم صاحبہ زوجہ مکرم شیخ مجیب احمد صاحب کو اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے پہلا بیٹا عطا فرمایا ہے۔ جس کا نام حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے انیس احمد عطا فرمایا ہے جو تحریک وقف نو میں شامل ہے۔ نومولود مکرم حافظ عبدالکریم خان صاحب آف خوشاب کی نسل سے ہے۔ احباب کرام سے درخواست دعا ہے کہ مولیٰ کریم نومولود کو نیک، لائق، خادم دین اور والدین کیلئے فرمانبردار بنائے۔ آمین

## سانحہ ارتحال

❁ مکرمہ بشریٰ ناصر صاحبہ دارالرحمت غربی ربوہ تحریر کرتی ہیں۔

میری والدہ محترمہ نذیرہ بیگم صاحبہ اہلیہ مکرم میاں عارف محمد صاحب بہاولپوری مرحوم فیکٹری ایریا احمد ربوہ وکٹوریہ ہسپتال بہاولپور میں ایک ہفتہ کی مختصر علالت کے بعد بقضائے الٰہی 12 مئی 2012ء کو صبح دس بجے وفات پا گئیں۔ بوقت وفات آپ کی عمر 82 سال تھی اسی دن جنازہ ربوہ لایا گیا۔ مورخہ 13 مئی کو بعد نماز ظہر آپ کی نماز جنازہ بیت مبارک میں محترم صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب ناظر اعلیٰ و امیر مقامی نے پڑھائی۔ مرحومہ موصیہ تھیں۔ بہشتی مقبرہ میں تدفین کے بعد مکرم نذیر احمد خادم صاحب نے دعا کرائی۔ آپ سادہ، خوش اخلاق، مہمان نواز، باہمت اور منکسر المزاج خلافت سے بہت پیار رکھنے والی خاتون تھیں۔ 1960ء سے 2000ء تک 40 سال ربوہ میں مقیم رہیں۔ عرصہ 12 سال سے چشتیاں ضلع بہاولنگر میں اپنے بچوں کے پاس رہ رہی تھیں۔ 2005ء میں بچوں کے پاس سوئٹزر لینڈ گئیں تو حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ آپ کی زندگی میں ہی ایک بیٹی نعیمہ بشریٰ صاحبہ کی وفات ہو گئی۔ 2003ء میں آپ کے داماد مکرم میاں اقبال احمد صاحب ایڈووکیٹ امیر ضلع راجن پور بھی راہ مولیٰ میں قربان ہو گئے۔ احمدیت قبول کرنے کے بعد شہید مرحوم بھی آپ کے سایہ عاطفت میں رہے۔ ان کے علاوہ آپ نے چھ بیٹے مکرم میاں مقبول احمد صاحب ایڈووکیٹ صدر جماعت چشتیاں، مکرم میاں منصور احمد صاحب آف چشتیاں، مکرم میاں مقصود احمد مجاہد صاحب، مکرم میاں مسعود احمد مجاہد صاحب آف سوئٹزر لینڈ مکرم میاں مظفر محمود احمد صاحب، مکرم میاں مشہود احمد صاحب جرمنی، چار بیٹیاں مکرمہ جلیل بشریٰ صاحبہ، مکرمہ نسیم بشریٰ صاحبہ چشتیاں، مکرمہ شمیم عارف صاحبہ جرمنی اور خاکسار نیز 32 پوتے، پوتیاں، نواسے، نواسیاں یادگار چھوڑی ہیں۔ مرحومہ محترمہ نے تمام بچوں کو دینی اور دنیاوی لحاظ سے اعلیٰ تعلیم دلوائی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے تمام کو جماعتی خدمات کی توفیق مل رہی ہے۔ احباب جماعت سے درخواست دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے انہیں اپنی مغفرت کی چادر میں ڈھانپ لے اور لواحقین کو ان کی خوبیوں اور نیکیوں کو اپنانے اور ہمیشہ زندہ رکھنے کی توفیق عطا فرمائے اور صبر جمیل دے۔ آمین

## سیون سائیڈ کرکٹ ٹورنامنٹ

(ناصر بلاک اطفال الاحمدیہ ربوہ)

❁ محض خدا تعالیٰ کے فضل سے مجلس اطفال الاحمدیہ ناصر بلاک ربوہ کو آل ربوہ سیون سائیڈ کرکٹ ٹورنامنٹ مورخہ 11 تا 21 مئی 2012ء منعقد کروانے کی توفیق ملی۔ ٹورنامنٹ کے آغاز سے پہلے 132 اطفال نے بلاک کی سطح پر 2 گھنٹے وقار عمل کیا۔ ٹورنامنٹ کا باقاعدہ آغاز مورخہ 11 مئی 2012ء کو دعا کے ساتھ ہوا۔ ٹورنامنٹ میں بلاک سے 10 ٹیموں کے 150 کھلاڑیوں نے شرکت کی جن کے مابین کل 27 میچز کھیلے گئے۔ ٹورنامنٹ کے تمام میچز بیوت الحمد کی گراؤنڈ میں منعقد کروائے گئے۔ ٹورنامنٹ کا پہلا راؤنڈ پول میچز جبکہ باقی راؤنڈ ناک آؤٹ سسٹم کی بنیاد پر کھیلے گئے۔ اس ٹورنامنٹ کے فائنل میچ میں بیوت الحمد مسرور کی ٹیم نے نصرت آباد کی ٹیم کو شکست دے کر ٹورنامنٹ کی فاتح ٹیم ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔ اس ٹورنامنٹ کی اختتامی تقریب وتقسیم انعامات مورخہ 21 مئی 2012ء کو فائنل میچ کے موقعہ پر منعقد کی گئی۔ اس اختتامی تقریب کے مہمان خصوصی مکرم طاہر جمیل بٹ صاحب مہتمم مجلس خدام الاحمدیہ مقامی ربوہ تھے۔ آپ نے اطفال کو قیمتی نصائح سے نوازا اور بعدازاں اعزاز پانے والے اطفال وحلقہ جات میں انعامات تقسیم کئے۔

## دارالصناعۃ میں داخلہ

❁ دارالصناعۃ ٹیکنیکل ٹریننگ انسٹیٹیوٹ میں درج ذیل ٹریڈز میں داخلے جاری ہیں۔

**مارننگ سیشن**

1۔ آٹو مکینک۔ 2۔ ریفریجریشن وایئر کنڈیشننگ۔ 3۔ وڈ ورک (کارپینٹر)

**ایوننگ سیشن**

1۔ آٹو الیکٹریشن۔ 2۔ جنرل الیکٹریشن و بنیادی الیکٹرونکس۔ 3۔ پلمبنگ

4۔ ویلڈنگ اینڈ سٹیل فیبریکیشن

تمام کورسز کا دورانیہ 6 ماہ ہے۔

داخلہ فارم کے حصول و دیگر معلومات کے لئے دفتر دارالصناعۃ ٹیکنیکل ٹریننگ انسٹیٹیوٹ 27/52 دارالعلوم وسطی ربوہ رفون نمبر 047-6211065 0336-7064603 سے رابطہ کریں۔

☆ نئی کلاسز کا آغاز یکم جولائی 2012ء سے ہوگا۔

☆ نشستوں کی تعداد محدود ہے۔

☆ بیرون ربوہ طلباء کیلئے ہوسٹل کا انتظام ہے۔

☆ والدین سے گزارش ہے کہ اپنے بچوں کو ادارہ میں داخل کروائیں۔

تمام طلباء جو گزشتہ سیشنز میں کورسز مکمل کر چکے ہیں، ان کی اسناد آ چکی ہیں۔ لہٰذا ان سے گزارش ہے کہ اپنی اسناد دفتر ہذا سے صبح کے وقت حاصل کر لیں۔

(نگران دارالصناعۃ ربوہ)

## تصحیح

❁ مکرم صباح الدین بٹ صاحب تحریر کرتے ہیں۔

خاکسار کے والد مکرم ضیاء الدین بٹ صاحب کی وفات کا اعلان مورخہ 9 جون 2012ء کے الفضل میں شائع ہوا ہے۔ اس میں ایک درستی یہ ہے کہ تدفین کے بعد دعا مکرم نصیب احمد صاحب نائب صدر مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان نے کروائی نیز یہ تحریر کرنا رہ گیا تھا کہ مکرم محی الدین بٹ صاحب نے مرحوم کی بیماری کے دوران دو سال خاص خدمت کی توفیق پائی ان کیلئے بھی دعا کی درخواست ہے۔

## مستحق طلباء کی امداد

❁ حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں۔

جس طرح ہماری جماعت دوسرے کاموں کے لئے چندہ کرتی ہے اسی طرح ہر گاؤں میں اس کیلئے کچھ چندہ جمع کر لیا جائے۔ جس سے اس گاؤں کے اعلیٰ نمبروں پر پاس ہونے والے لڑکے یا لڑکوں کو وظیفہ دیا جائے اس طرح کوشش کی جائے کہ ہر گاؤں میں دو تین طالب علم اعلیٰ تعلیم حاصل کریں۔

(30 / اکتوبر 1945ء)

خدا تعالیٰ کے فضل سے نظارت تعلیم کے تحت حضرت مصلح موعود کی اس خواہش کی تکمیل کیلئے نگران امداد طلبہ کا شعبہ اس نیک اور مفید کام میں مصروف ہے۔ اور سینکڑوں غریب طلبہ اس شعبہ کے تعاون سے تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ امداد طلبہ کا یہ شعبہ اس تعاون کو آمد ہونے کے ساتھ ہی بہتر طور پر ممکن بنا سکتا ہے۔ لیکن اس کی آمد اس وقت بالکل نہ ہونے کے برابر ہے۔ طلباء کی کتب، یونیفارم اور مقالہ جات کیلئے رقم کی فوری ضرورت ہے۔ یہ رقوم درج ذیل صورتوں میں خرچ کی جاتی ہیں۔

1۔ سالانہ داخلہ جات 2۔ ماہوار ٹیوشن فیس

3۔ درسی کتب کی فراہمی 4۔ فوٹو کاپی مقالہ جات

5۔ دیگر تعلیمی ضروریات

پاکستان میں فی طالب علم اوسطاً سالانہ اخراجات اس طرح سے ہیں۔

1۔ پرائمری و سیکنڈری 8 ہزار سے 10 ہزار روپے تک سالانہ

2۔ کالج لیول 24 ہزار سے 36 ہزار روپے تک سالانہ

3۔ بی ایس سی۔ ایم ایس سی و دیگر پروفیشنل ادارہ جات ایک لاکھ سے 3 لاکھ روپے تک

سینکڑوں طلبہ کا اس وقت اس شعبہ پر بے انتہا مالی بوجھ ہے۔ جس کیلئے عطیات کی فوری ضرورت ہے۔ تمام احمدی احباب سے درخواست ہے کہ اس کار خیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں اور اپنے حلقہ احباب میں بھی موثر رنگ میں تحریک فرماویں کہ اس شعبہ کے لئے دل کھول کر حصہ ڈالیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے خلوص میں بے انتہا برکت ڈالے۔ آمین

یہ عطیہ جات براہ راست نگران امداد طلبہ نظارت تعلیم یا خزانہ صدر انجمن احمدیہ کی مد ''امداد طلبہ'' میں بھجوائے جا سکتے ہیں۔

(نگران امداد طلبہ نظارت تعلیم)

# خبریں

## پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں کمی

حکومت نے پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں 11.75 روپے فی لٹر تک کمی کر دی ہے۔ اوگرا کی طرف سے جاری نوٹیفکیشن کے مطابق پٹرول 10 روپے 46 پیسے فی لٹر، ایچ او بی سی 11 روپے 75 پیسے مٹی کا تیل 5 روپے 26 پیسے اور ڈیزل کی قیمت 6 روپے 8 پیسے فی لٹر کم کر دی۔

## طویل العمر والدین کے بچوں کی عمریں بھی لمبی ہوتی ہیں

امریکی سائنسدانوں کی نئی تحقیق کے مطابق طویل عمریں پانے والے والدین کے بچے بھی موروثی طور پر طویل عمر پاتے ہیں نارتھ ویسٹرن یونیورسٹی کی نئی تحقیق کے مطابق بڑی عمر کے والدین کے بچے لمبی اور بہتر زندگیاں گزارتے ہیں۔

## میپنگ ٹیکنالوجی

لندن میں گوگل نے مارکیٹ لیڈر کے طور پر اپنی پوزیشن برقرار رکھنے کیلئے نئی میپنگ ٹیکنالوجی متعارف کروائی ہے۔ یہ ایک پورٹیبل ڈیوائس ہے۔ جس سے سڑکوں کی خوبصورت منظر نگاری اور اینڈ رویڈ فون پر گوگل میپس تک آف لائن رسائی ممکن ہے۔ گوگل کے استعمال کنندگان کی تعداد ایک ارب سے زیادہ ہے لیکن کئی اہم ڈویلپرز اور پارٹنر گوگل سے الگ ہو گئے ہیں۔ اطلاعات ہیں کہ ایپل اپنی سالانہ ڈویلپرز کانفرنس میں گوگل میپس سے الگ ہونے کا فیصلہ کرے گا۔ ایپل اس موقع پر خود اپنی میپنگ ایپلیکیشنز اپنے سمارٹ فونز اور ٹیبلٹس میں متعارف کرائے گا۔ گوگل کے ایگزیکٹوز نے اس موقع پر منفی پبلسٹی کے تدارک کیلئے سان فرانسسکو میں ایک میڈیا ایونٹ منعقد کرنے کا اعلان کیا ہے جس میں نئے میپنگ فیچرز پیش کئے جائیں گے۔ ان میں ڈیجیٹل میپنگ، سٹیلائیٹ کا استعمال، فضائی اور گلیوں کی سطح کی منظر بندی شامل ہوگی۔ دیگر خوبیوں میں گوگل ارتھ کی تھری ڈی اینہانسمنٹ شامل ہے۔

روزنامہ الفضل میں اشتہار دے کر اپنے کاروبار کو فروغ دیں۔

**ربوہ میں طلوع وغروب 18 جون**

| | |
|---|---|
| طلوع فجر | 3:32 |
| طلوع آفتاب | 5:00 |
| زوال آفتاب | 12:10 |
| غروب آفتاب | 7:18 |

راحت جان
تبخیر معدہ، گیس کی مفید مجرب دوا
NASIR ناصر
ناصر دواخانہ (رجسٹرڈ) گولبازار ربوہ
Ph:047-6212434

نوزائیدہ اور شیر خوار بچوں اور ماؤں کے امراض
الحمید ہومیو کلینک اینڈ سٹورز
ہومیو فزیشن ڈاکٹر عبدالحمید صابر (ایم۔اے)
عمر مارکیٹ نزد اقصیٰ چوک ربوہ فون: 0344-7801578

قائم شدہ 1952ء
خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ
خالص سونے کے اعلیٰ زیورات کا مرکز
شریف جیولرز
اقصیٰ روڈ۔ربوہ
پروپرائیٹر: میاں حنیف احمد کامران
047-6212515
0300-7703500

Got.Lic# ID.541
IATA
ملکی وغیر ملکی ٹکٹ۔ریکنفرمیشن۔انشورنس
ہوٹل بکنگ کی بارعایت سروس کے لئے
Sabina Travels Consultant
Yadgar Road Rabwah
047-6211211,6215211
0334-6389399

FR-10